۷

سہ ماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیماں

جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ، مکھڈ شریف (اٹک)
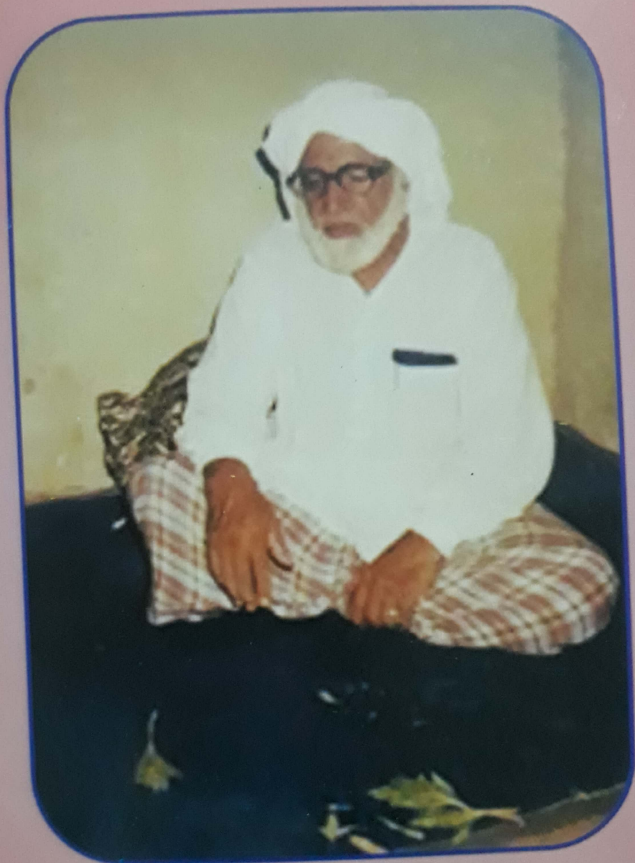
حضرت مولانا محمد فضل الدین چشتیؒ مکھڈی۔ مکھڈ شریف (اٹک)

(م۔۲، شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ مطابق ۸۔ اگست ۲۰۰۸ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سہ ماہی مجلہ جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء

قندیلِ سلیمان

مکھڈ شریف (اٹک)

بفیضانِ نظر
شہبازِ چشت
حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

بیادگار
حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ
مکھڈ شریف

ہدیہ سالانہ پانچ سو روپے

فی شمارہ 150 روپے

سرکولیشن منیجر: فدا حسین ہاشمی سرورق اینڈ کمپوزنگ: یاسر اقبال، اسلام آباد تصاویر: محمد زاہد محمود

پرنٹرز/ پبلشرز:۔ نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی، مکھڈ شریف، (اٹک)

فون: 0334-8506343, 0343-5894737, 0346-8506343, 0333-5456555

ای میل: sajidnizami92@yahoo.com

فہرستِ مندرجات

گوشۂ عقیدت:

خیابانِ مضامیں:

حدیقۂ شریعت:

اداریہ

امسال رمضان المبارک کا چاند راقم کے لیے عظیم برکتیں اور عظمتیں لے کر طلوع ہوا۔ خانہ خدا اور روضہ رسول کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اُن تمام مقدس مقامات کی زیارت سے آنکھیں منور ہوئی، جہاں جہاں میرے پیارے رسول ﷺ کے قدم مبارک لگے تھے۔ مکہ مکرمہ میں اپنے پیارے ربِ کریم کے جلال کے نظارے ہر طرف بکھرے تھے، تو مدینہ منورہ اُس کے محبوب کی کریمی سے جمال ہی جمال تھا۔ اُس شہرِ جمال میں گزرے شب و روز کی داستانیں عاشقانِ رسول بڑی محبت و عقیدت سے سناتے ہیں۔

انھیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

مجھ جیسا سیاہ کار و بدکار، سرکار کے شہر جمال میں اپنے وجود کو گھسیٹتا، اپنے گناہوں پر شرمسار اُس سب سے عظیم بارگاہ میں سر جھکائے کانپتا ہوا، سہما ہوا حاضر ہوتا، لیکن قربان جاؤں میں اپنے آقا کی شانِ کریمی پر، کہ جیسے ہی ''باب السلام'' کی رہ داری نظر آتی، ڈھارس سی بندھ جاتی ہے۔ دلِ بے قرار کو بے وجہ قرار سا آجاتا ہے۔ اور ہولے ہولے سے بادِ نسیم کے جھونکے آنے لگتے ہیں۔ نظریں اُس جنت نظیر بلکہ جنت سے بڑھ کر عظیم راستے کے بوسے لیتی ہیں۔

''باب السلام'' کے سبز مینار کے اُس پار گنبدِ خضرا کے وہ حسیں نظارے تھے، جو آنکھوں کے لیے تلاوت و تراوت کا حسیں ساماں لیے ہوئے تھے۔ مسجدِ نبوی کا وسیع و عریض صحن دنیا بھر کے مقدس مقامات سے بڑھ کر ہے لیکن صحن کا وہ حصہ بہت حسیں ہے، جہاں سے سبز سبز گنبد کا کوئی بھی منظر، آنکھوں کی راستے دِل تک اُترتا ہے۔ عشاق رسول ﷺ تو ہمشہ ایسے لمحات کی تلاش

میں رہتے ہیں۔

اے کاش! ملیں ایسے اوقات مدینے میں

ہم بھیجیں درود اُن پر، دن رات مدینے میں

پیارے آقا کے قدمین شریفین کے سامنے ہر وقت عاشقوں کا ہجوم ہی رہتا۔ بھلے وہاں کے دربان اِس بات سے نالاں رہتے، اور بعض تو بحث و تکرار میں بھی الجھتے، لیکن اُن کے دیوانوں کو جھڑکیوں سے کیا ڈر۔ وہ مست و بے خود ہو کر جمالِ یار کا نظارہ کرتے۔ ''بابِ جبریل'' کے سامنے سبز سبز گنبد اپنی عجیب چھب دیکھتا تاکہ سبھی اُس کی طرف نظریں اُٹھائے دنیا و مافیہا سے بے خبر ایسے کھوئے ہوتے، جیسے وہ اپنے وجود سے بھی بے خبر ہوں۔ ایک دن میں بھی اُن عاشقانِ رسول میں بیٹھا جمال یار کے مزے لوٹ رہا تھا، میرے سامنے مستنصر کا سفر نامہ حج ''منہ وَل کعبہ شریف'' کے صفحات کھلے تھے۔ یوں تو مکمل سفر نامہ پڑھنے والا ہے لیکن حضور سرورِ کائنات کی حاضری کے لیے جو رنگ مستنصر حسین تارڑ نے بھرے ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ حرف حرف، محبت کی عجب داستان سناتا ہے۔ معاً مجھے خیال آیا کہ کیوں نا ''قندیلِ سلیماں'' کا اگلا شمارہ ''حاضری رسول ﷺ'' نمبر شائع کیا جائے۔ وہ عشاقِ رسول جنھوں نے حاضری رسول کے مناظر کو محبت و عقیدت کے ساتھ بیاں کیا، چاہے وہ منظوم ہے یا منثور، وجد آفریں ہے۔ مختصر وقت میں اتنا بڑا کام ممکن نہ تھا، سو ابتداً مستنصر حسین تارڑ کی تحریر ''کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا۔۔ میں اُسے دیکھوں بھلا کب دیکھا جائے ہے مجھ سے'' کو اس شمارے میں شامل کیا جا رہا ہے۔ امید ہے قارئین اس کو پسند فرمائیں گے، اور آئندہ کے لیے اس سلسلہ کو مستقلاً ''قندیلِ سلیماں'' میں شامل کیا جائے گا۔

ہمارے پیارے بھائی صاحبزادہ فخر احمد میرویؒ کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے ایک سال ہونے کو ہے۔ ۲۹ محرم الحرام تا ۲ صفر المظفر ۱۴۳۷ھ آپؒ کا پہلا سالانہ عرس مبارک

میرا شریف میں منعقد ہوگا۔ ''قندیلِ سلیماں'' کی اگلی اشاعت میں خصوصی طور پر ''صاحبزادہ فخر احمد میروی ؒ'' کے احوال و آثار، ملفوظات، مکاتیب، اشاعتِ اسلام کے لیے آپ کی تبلیغی کاوشوں پر مشتمل مضامین شامل کیے جائیں گے۔ اہلِ قلم اس سلسلہ میں اپنی تحریریں ماہِ اکتوبر کی ۳۱ تاریخ تک ارسال فرمادیں۔

مدیر

گوشۂ عقیدت

حمد

محمد علی ظہوریؒ

الٰہی حمد سے عاجز ہے یہ سارا جہاں تیرا
جہاں والوں سے کیونکر ہو سکے ذکر و بیاں تیرا

زمین و آسماں کے ذرے ذرے میں ترے جلوے
نگاہوں نے جدھر دیکھا ، نظر آیا نشاں تیرا

ٹھکانہ ہر جگہ تیرا سمجھتے ہیں جہاں والے
سمجھ میں آ نہیں سکتا ٹھکانا ہے کہاں تیرا

ترا محبوب پیغمبر تری عظمت سے واقف ہے
کہ سب نبیوں میں تنہا ہے وہی اِک راز داں ترا

جہانِ رنگ و بُو کی وسعتوں کا راز داں تُو ہے
نہ کوئی ہم سفر تیرا نہ کوئی کارواں تیرا

تری ذاتِ مُعلّٰی آخری تعریف کے لائق !
چمن کا پتّہ پتّہ روز و شب ہے، نغمہ خواں تیرا

☆☆☆☆

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

بیدمؔ وارثی

قبلہ و کعبۂ ایمان رسولِ عربی
دو جہاں آپ پہ قربان رسولِ عربی

چاند ہو تم ، جو رسولانِ سلف تارے ہیں
سب نبی دل ہیں تو تم جان رسولِ عربی

صدقہ حسین کا ، روضہ پہ بلا لو مجھ کو
ہند میں ہوں میں پریشان رسولِ عربی

کس کی شکل میں تیری ذات نہ آڑے آئی
تیرا کس پر نہیں احسان رسولِ عربی

کوئی بہتر ہے، تو بہتر سے بھی بہتر تو ہے
سب سے اعلیٰ تیری شان رسولِ عربی

تیرا دیدار ہے دیدارِ الٰہی مجھ کو
تیری الفت میرا ایمان رسولِ عربی

مجمع حشر میں اس شان سے اے بیدمؔ
ہاتھ میں ہو تیرا دامان رسولِ عربی

سلام بہ حضور امامِ عالی مقام

ارشد محمود ناشاد

وہ اِک گھرانا ، لہو میں جو تر بہ تر ہوا ہے
وفا کا نام زمانے میں معتبر ہوا ہے

متاعِ صبر و رضا ہے دلیلِ نقشِ دوام
غرور و تمکنت و فخر در بہ در ہوا ہے

قسیم و وارثِ کوثر رہے ہیں تشنہ بہ لب
زمینِ کرب و بلا ! ظلم کس قدر ہوا ہے

وہ حرف جس میں ترا ذکر ہے سند ہے وہی
وہ لفظ جس میں ترا غم ہے بااثر ہوا ہے

جہاں بھی ظلم و شقاوت ہوئے ہیں خیمہ زن
ترا شعار وہاں سرمۂ نظر ہوا ہے

عزا کے فرش پہ بیٹھے ہیں ہم بہ لطفِ امام
مژہ پہ چمکا ہے جو اشک سو گُہر ہوا ہے

کہاں گئے وہ ستم کیش پست قامت لوگ
حریفِ اوجِ ثریا تو ایک سر ہوا ہے

بحضور امامِ عرشِ مقام

محمد انور بابر

زمیں کا فخر نازِ آسماں ہے
شہیدِ حق تو شانِ بے نشاں ہے

سرِ نیزہ نمازِ عشق پڑھنا
ترا منصب امامِ عاشقاں ہے

جمالِ مصطفیٰ ﷺ کا تو ہے پیکر
حسینوں میں حبیبِ دلبراں ہے

حسنؑ کا بھائی ، تو بیٹا علیؑ کا
دلِ زہراؑ ہے تو، احمد ﷺ کی جاں ہے

فروزاں عرش پر بارہ ستارے
تو اِن میں رفعتوں کا آسماں ہے

تو سرچشمہ ہے علم و معرفت کا
تو پیرِ مرشدانِ کاملاں ہے

ترے خوں سے مہکتے ہیں گلستاں
ترے ہر نقشِ پا پر آستاں ہے

غمِ شبیرؑ ہے صدیوں سے تازہ
فراتِ درد، آنکھوں سے رواں ہے

ازل سے بر سرِ پیکار اب تک
حسینی سے یزیدی بد زباں ہے

اجالوں کا نگر تیرا گھرانا
کہ جس سے تا ابد روشن جہاں ہے

لہو سے گرچہ ہے رنگین لیکن
غریب و سادہ تیری داستاں ہے

جہاں پر بارشیں ہیں برگ و گل کی
وہ روضہ قبلہ گاہِ قدسیاں ہے

گدائی تیری، شاہی سے ہے برتر
یہاں ذرہ بھی ماہِ ضو فشاں ہے

غلامی میں قبول انوؔر کو کرلو
کہ تو آقا پناہِ بے کساں ہے

☆☆☆☆☆

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ

حفیظ جالندھری

حضرت عمرؓ کے ایمان کا بیان

دشمنانِ دین میں نبی کے قتل کی تجویزیں

عمرؓ ابنِ خطاب اُس وقت تک ایماں نہ لائے تھے
حجابِ کفر میں تھے دامنِ حق میں نہ آئے تھے

نہایت صاحبِ غیرت بہادر تھے تہمتن تھے
مگر سچے نبی کے اور مسلمانوں کے دشمن تھے

غریبوں حق پرستوں کو اذیت دیتے رہتے تھے
مسلماں اُن کے ہاتھوں سے ہزاروں رنج سہتے تھے

جنابِ حضرتِ حمزہؓ بھی جب ایمان لے آئے
تزلزل پڑ گیا باطل میں ، اہلِ مکہ گھبرائے

مسلمانوں کی روز افزوں ترقی سے لگے ڈرنے
نبی کو قتل کر دینے کی تجویزیں لگے کرنے

کوئی بولا غضب ہے اپنی طاقت گھٹتی جاتی ہے
کہ دُنیا دِین آبائی سے پیچھے ہٹتی جاتی ہے

یہی حالت رہی تو ایک دن ایسا بھی آئے گا
ہبل کے واسطے کوئی چڑھاوا بھی نہ لائے گا

کوئی بولا " یہ مذہب پھیلنے سے رُک نہیں سکتا
محمد زندہ ہیں جب تک یہ جھگڑا چک نہیں سکتا "

کہا بوجہل نے " دیکھو یہ نرمی کا نتیجہ ہے"
پکارا " بولہب میں کیا کروں میرا بھتیجا ہے"

عمرؓ نبی کے قتل کا بیڑا اُٹھاتے ہیں

عمرؓ بولے یہ قصہ ہی چکا دیتا ہوں میں جا کر
کہ دیتا ہوں تمہیں سر ہادیٔ اِسلام کا لا کر

بدی کے غلغلے اس محفلِ حق پوش میں اُٹھے
عمر نے کھینچ لی تلوار پورے جوش میں اُٹھے

چلے اس زندگی بخشِ جہاں کے قتل کرنے کو
شہنشاہِ مکان و لا مکاں کے قتل کرنے کو

نعیم اِک مردِ مسلم سے ہوئی مُٹ بھیڑ رستے میں
وہ بولے آج کیا ہے تم نظر آتے ہو غصے میں؟

کہا " میں قتل کرنے جا رہا ہوں اُس پیمبر کا
کہ جس نے خرخشے میں ڈال رکھا ہے عرب بھر کو"

وہ بولے اپنے گھر کا حال بھی معلوم ہے تم کو
کہ ہمشیرہ مسلماں ہو چکی، معلوم ہے تم کو؟

تمہارے گھر میں بستا ہے، خدا کا نام مدت سے
کہ بہنوئی تمہارا لا چکا اِسلام مدت سے"

یہ سن کر اور بھی غیظ و غضب طوفان پر آئے
عمر تلوار کھینچے اپنے بہنوئی کے گھر آئے

غضب ٹوٹا ، عمر دہلیز پر جس وقت چڑھتے تھے
وہ دونوں حضرتِ خبابؓ سے قرآن پڑھتے تھے

عمر داخل ہوئے جب گھر کے اندر سخت غصے میں
سنی آہٹ تو فوراً چھپ گئے خبابؓ پردے میں

کہا کیا پڑھ رہے تھے تم، وہ بولے "تم کو کیا مطلب"
کہا "دونوں مسلماں ہو چکے ہو جانتا ہوں سب!"

بہن، بہنوئی کو آخر عمرؓ نے اِس قدر مارا
کہ زخموں سے نکل کر خون کی بہنے لگی دھارا

بہن بولی عمر! ہم کو اگر تو مار بھی ڈالے
شکنجوں میں کسے یا بوٹیاں کتوں سے نچوالے

مگر ہم اپنے دینِ حق سے ہرگز پھر نہیں سکتے!
بلندی معرفت کی مل گئی ہے گر نہیں سکتے!!"

دہن سے نامِ حق، آنکھوں سے آنسو، منہ سے خوں جاری
عمر کے دِل پر اس نقشے سے عبرت ہوگئی طاری

کہا اچھا دکھاؤ مجھ کو وہ آیاتِ قرآنی
سمجھ رکھا ہے جن کو تم نے ارشاداتِ ربانی"

بہن بولی "بغیرِ غسل اس کو چھو نہیں سکتے"
یہ سن کر اور حیرت چھا گئی، منہ رہ گئے تکتے

اُٹھے اور غسل کر کے لے لیا قرآن ہاتھوں میں
بھلی ساعت میں آئی دولتِ ایمان ہاتھوں میں

حضرت عمرؓ کا ایمان

کلامِ پاک کو پڑھتے ہی آنسو ہوگئے جاری
خدائے واحد و قدّوس کی ہیبت ہوئی طاری

وہ دِل، وہ سخت دِل جو آہن و فولاد کا دِل تھا
مسلمانوں کے حق میں جو کسی جلاد کا دل تھا

شعاعِ نور نے اس دِل کو یکسر موم کر ڈالا
ہوئی تسکین، بہہ نکلا قدیمی کفر کا چھالا

اُڑی کافور کی صورت سیاہی رنگِ باطل کی
یکایک آج روشن ہوگئیں گہرائیاں دِل کی

اِسی عالم میں اُٹھے جانبِ کوہِ صفا دوڑے
نکل کر نرغۂ شیطاں سے جیسے پارسا دوڑے

عمرؓ آستانہ نبوت پر

رسول اللہ تھے اس دم مقیمِ خانہ ارقم
حضوری میں جنابِ حمزہؓ و بوبکرؓ تھے ہمدم

نحیف و ناتواں کچھ اور اہل اللہ بیٹھے تھے
خدا سے لَو لگائے، دو جہاں کے شاہ بیٹھے تھے

عمر آئے مسلح، آ کے دروازے پہ دِی دستک
اُسی انداز میں تھے ہاتھ میں تلوار تھی اب تک

صحابہ نے جونہی سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا
چمک تلوار کی آئی نظر روئے عمرؓ دیکھا

صحابہ میں سے اکثر ڈر گئے اِس رنگِ ظاہر سے
عمرؓ کا دبدبہ کچھ کم نہ تھا اِک فوجِ قاہر سے

رسول اللہ سے آ کر عرض کی اِک طُرفہ ساماں ہے
عمرؓ در پر کھڑے ہیں، ہاتھ میں شمشیر براں ہے

کہا حمزہؓ نے "جاؤ جس طرح آتا ہے آنے دو
اسے اندر بلاؤ، جس طرح آتا ہے آنے دو

ادب ملحوظ رکھے گا تو خاطر سے بٹھائیں گے
نمونہ اس کو ہم خُلقِ محمد کا دکھائیں گے

اگر نیت نہیں اچھی تو اس کو قتل کر دوں گا
اسی کی تیغ سے سر کاٹ کر چھاتی پہ دَھر دوں گا

رسول اللہ سن کر مسکرائے اور فرمایا
"بلا لو دیکھ لیں کس دُھن میں ہے ابنِ خطاب آیا"

عمرؓ داخل ہوئے اندر تو اُٹھے حضرتِ وَالا
ہوا ضو ریز سرِّ شاخِ طوبیٰ پر قدِ بالا

کہا چادر کا دامن کھینچ کر کیوں اے عمر کیا ہے!
''چلا تھا آج کس نیت سے، کس نیت سے آیا ہے؟''

عمرؓ کے جسم پر اِک کپکپی سی ہو گئی طاری
وہیں سر جھک گیا، آنکھوں سے آنسو ہو گئے جاری

ادب سے عرض کی ''حاضر ہوا ہوں سر جھکانے کو
خدا پر اور رسولِ پاک پر ایمان لانے کو''

یہ کہنا تھا کہ ہر جانب صدائے مرحبا گونجی
فضا میں نعرۂ اللہ اکبر کی صدا گونجی

حضرت عمرؓ کی شانِ ایمان

عمرؓ رخصت ہوئے ایمان لا کر شہر کی جانب
چلے بے خوف ہو کر بانیانِ قہر کی جانب

وہاں وہ لوگ بیٹھے تھے عمرؓ کے منتظر سارے
کسی کے قتل ہونے کی خبر کے منتظر سارے

عمرؓ آ کر پکارے ''اے قریش! اے فہر کے بیٹو!
سنو اے عقل کے اندھو، سنو تقدیر کے ہیٹو!

یہ بت جھوٹے ہیں بیشک پوجنا بے سود ہے سب کا
خدا، واحد ہے، جو خالق ہے اور معبود ہے سب کا

کوئی جھٹلائے مجھ کو یا کرے میرا یقیں کوئی
محمد ہیں رسول اللہ، اِس میں شک نہیں کوئی

نہ ہوگا کچھ بھی حاصل مکر سے، حجت سے، حیلے سے
فلاحِ دِین و دنیا ہے محمد کے وسیلے سے

حقیقت کا تمہارے سامنے اظہار کرتا ہوں
میں توحید و رسالت کا بہ دِل اقرار کرتا ہوں

کتاب اللہ پر، قرآن پر ایمان لایا ہوں
خدائے واحد و رحمٰن پر ایمان لایا ہوں''

یہ سن کر زلزلہ سا آ گیا ایوانِ باطل میں
بہت صدمہ ہوا، دِل کی امیدیں رہ گئیں دِل میں

اُٹھے سب طیش کھا کر، پل پڑے اس مردِ غازی پر
کیا اُن بھیڑیوں نے حملہ اس شیرِ حجازی پر

مگر وہ مردِ میدانِ وغا غالب رہا سب پر
خدا غالب ہوا، نامِ خدا غالب رہا سب پر

[شاہنامۂ اسلام]

☆☆☆☆☆☆☆☆

منقبت حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

الحاج عبدالستار نیازیؒ

شاہاں دے نالوں چنگا اے منگتا فرید دا
گھر گھر دے وِچ ہے بیلیو چرچا فرید دا

اوندے نیں نعرے مار دے عاشق فرید دے
جیہڑی جگہ تے لگدا اے میلہ فرید دا

جنت توں وَدھ کے ہو گئی میرے لئی اوہ تھاں
لگیا اے جتھے جتھے وی تلوا فرید دا

پڑھ دے گئے نیں دنیا تے صابرؒ نظامؒ وِی
رنجھاں دے نال چم کے سہرا فرید دا

دنیا دا کوئی سوہنا وِی چچیا نئیں اوہناں نوں
اِک وار جنہاں تک لیا چہرہ فرید دا

صِفتاں کراں تے کیہ کراں مُکدی مُکا دِیاں
اللہ دا ہے فرید تے اللہ فرید دا

دتیاں میرے نصیب نے سو سو مبارکاں
دروازہ جیہڑے وِیلے میں مَلیا فرید دا

مَرجاں نیازیؔ جس گھڑی ایہہ عرض ہے میری
لِکھ دینا میری قبر تے جَھلاَّ فرید دا

☆☆☆

ہمارے پیارے بھائی صاحبزادہ فخر احمد میرویؒ کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے ایک سال ہونے کو ہے۔ ۲۹ محرم الحرام تا ۲ صفر المظفر ۱۴۳۷ھ / نومبر ۲۰۱۵ء آپؒ کا پہلا سالانہ عرس مبارک میرا شریف میں منعقد ہو گا۔ ''قندیلِ سلیماں'' کی اگلی اشاعت میں خصوصی طور پر ''صاحبزادہ فخر احمد میرویؒ'' کے احوال و آثار، ملفوظات، مکاتیب، اشاعتِ اسلام کے لیے آپ کی تبلیغی کاوشوں پر مشتمل مضامین شامل کیے جائیں گے۔ اہلِ قلم اس سلسلہ میں اپنی تحریریں ماہِ اکتوبر کی ۳۱ تاریخ تک ارسال فرمادیں۔

آثارِ رسول ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان

علامہ قاری سعید احمد☆

بلاشبہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو رسول اکرم ﷺ کے آثار شریف سے بے پناہ رغبت تھی اور وہ ان سے برکت حاصل کیا کرتے تھے۔حتٰی کہ جب آپ وضو فرماتے تو آپ کے وضو کے مستعمل پانی حاصل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑتے۔آپ ﷺ ان کا یہ عمل ملاحظہ فرماتے اور اس پر سکوت فر ماتے پس آپ کا اس معمالے میں سکوت فرمانا،تبرکات کے شرعاً جائز ہونے کی دلیل ہے۔کیونکہ اگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہ عمل جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ایسا کرنے سے ضرور منع فرماتے اور اس سے پرہیز کا حکم دیتے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمھا اللہ تعالٰی نے حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ آپ فرماتے ہیں۔"میں نبی کریم ﷺ کے پاس تھا اور آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام جعرانہ پر ٹھہرے ہوئے تھےاور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے اس اثنا میں رسو اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا،آپ نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کیا اسے پورا نہیں کریں گے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے لیے بشارت ہے۔اس نے کہا۔آپ متعدد بار مجھے بشارت دے چکے ہیں۔آپ ﷺ نے اپنا رُخِ زیبا حضرت ابوموسٰی اور حضرت بلال کی طرف پھیر لیا آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر غصے کے آثار نمایاں تھےاور فرمایا:اس نے بشارت کو ٹھکرا دیا ہے،تم آؤ۔دونوں صاحبان فرماتے ہیں

ہم متوجہ ہوئے تو آپ ﷺ نے پانی کا پیالہ منگوایا۔اِس میں ہاتھ اور چہرہ مبارک دھویا اور اِس میں لعابِ دہن ڈالا،پھر فرمایا:اسے پی لو اور اپنے چہروں اور حلق پر مل لو اور میں دونوں کو بشا رت دیتا ہوں۔اِن دونوں نے پیالہ پکڑا اور ایسا ہی کیا۔پردے کی آڑ سے ام المومنین حضرت اُمّ

☆ مدرس جامعہ زینت الاسلام،ترگ شریف (میانوالی)

سلمہ رضی اللہ عنھا یہ منظر دیکھ رہی تھیں ۔اُنھوں نے آواز دی۔اپنی ماں کے لیے بھی بچانا۔تو اِن دونو ں نے اِس میں سے کچھ بچالیا[بخاری شریف، جلد۲،ص۶۲۰ ، باب غزوۃ الطائف ،مطبوعہ قدیمی کتب خانہ۔صحیح مسلم شریف ،جلد۲،ص۳۰۳ ، باب من فضائل موسیٰ اشعری]

اِس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی خواہش کرنی چاہیے۔اس میں برکت ہے،جیسے امّ المومنین امّ سلمٰی رضی اللہ عنہا نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔اپنی ماں کے لیے بھی کچھ تبرک رہنے دینا۔ متبرک پانی منہ اور سینے پر چھڑکنا یا ملنا مستحب ہے۔

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی سند کے ساتھ ’’باب خاتم النبو ۃ‘‘ کے تحت حضرت جعید بن عبدالرحمٰن سے روایت کی۔اُنھوں نے کہا: میں نے سائب بن یزید سے سنا۔اُنھوں نے کہا میری خالہ مجھے بارگاہِ نبوی ﷺ میں لے گئیں اور کہا: یارسول اللہ ﷺ یہ میری بہن کا بیٹا ہے جو بیما رہے آپ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دستِ شفقت رکھا اور برکت کے لیے دعا فرمائی۔پھر آپ ﷺ نے وضو کیا میں نے آپ ﷺ کے وضو کا مستعمل پانی پی لیا۔[بخاری شریف ،جلد اوّل،ص۵۰۱، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ]

اِس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیھم الرضوان حضور ﷺ کے وضو کا مستعمل پانی برکت کے طور پر پیتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز پڑھتے تھے،آپ ﷺ کے پاس مدینے کے لونڈی غلام اپنے برتن لے آتے تھے۔جن میں پانی ہوتا تھا،تو وہ کوئی برتن نہ لاتے مگر حضور ﷺ اِس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈبو دیتے، بہت دفعہ وہ لوگ آپ ﷺ کے پاس بہت ٹھنڈی صبح کو پانی لاتے۔آپ ﷺ ان میں اپنا ہاتھ مبارک ڈبو دیتے[صحیح مسلم شریف ،جلد۲،ص۲۵۶]

اِس حدیث شریف سے ایک تو حضور ﷺ کے اخلاق حمیدہ کا پتہ چلا اور دوسری یہ بات

معلوم ہوئی کہ تبرکات سے شفا حاصل کرنا جائز بلکہ سنّتِ صحابہ ہے۔ کیونکہ اہلِ مدینہ یہ پانی اپنے بیماروں کو شفا کے لیے پلاتے تھے اور اِس حدیثِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز میں بزرگو ں کا ہاتھ لگ جاوے وہ تبرک ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں مجھے حضورﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا جب کہ آپﷺ ابطح وادی میں ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ دوپہر کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور نماز کے لیے آذان کہی۔ پھر اندر چلے گئے اور جنابِ رسول اللہﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی باہر لائے، تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑے [صحیح بخاری شریف]

صحابہ کرام علیہم الرضوان حصول برکت کے لیے آپﷺ کا مستعمل پانی جمع کیا کرتے تھے ۔کیونکہ اِس پانی نے آپ کے جسمِ اطہر کو مَس کیا ہوا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ نے جمرہ کو کنکریاں ما ریں اور اونٹوں کو نحر کیا۔ پھر حجام کے سامنے دائیں جانب کی اور اِس نے (وہ جانب) مونڈ دی۔ پھر آپﷺ نے حجرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو وہ بال دیے۔ پھر آپﷺ نے (اُس حجام کے سامنے) بائیں جانب کی اور فرمایا مونڈ دو۔ اُس نے وہ جانب مونڈ دی۔ پھر آپﷺ وہ بال حضرت ابو طلحہ کو دیے اور فرمایا۔ ان بالوں کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو۔ [صحیح مسلم شریف، جلد اول، ص ۴۲۱]

اِس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضورﷺ اپنے بال مبارک برکت کے طور پر لوگوں میں تقسیم فر مایا کرتے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور نبی کریمﷺ کے موئے مباک کی کتنی تعظیم تکریم کرتے تھے اور کتنے ادب سے اپنے گھروں میں رکھتے تھے۔ اس کا اندازہ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے جو کتب میں موجود ہیں۔ محدّث ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پا س رسول اللہﷺ کا ایک بال مبارک ہے جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف سے ملا تھا، عبیدہ

نے کہا اگر میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک بال ہوتا تو وہ مجھے دنیا و مافیھا سے زیادہ عزیز ہو تا۔ [صحیح بخاری شریف، جلد اول، ص ۲۹]

صحیح مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کو دیکھا کہ حجام آپ ﷺ کا سر مبارک مونڈ رہا تھا اور آپ کے صحابہ نے آپ کے گرد گھیرا ڈالا ہو اتھا۔ وہ نہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کا کوئی بال مبارک گرے، مگر کسی کے ہاتھ پر۔ [صحیح مسلم شریف، جلد ۲، ص ۲۵۶]

علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی میں رسول اللہ ﷺ کا ایک بال مبارک رکھا ہوا تھا۔ وہ جب بھی کسی جنگ میں جاتے اِسی موئے مبا رک کی برکت سے فتح اور نصرت حاصل کرتے۔ جنگِ یمامہ میں وہ ٹوپی گر گئی تو وہ فوراً اُس کی طر ف جھپٹے، ان کے ساتھیوں نے تعجب کیا کہ ایک ٹوپی کے لیے اتنا خطرہ مول لیا، حضرت خالد نے کہا میں نے اس ٹوپی کی قیمت کی وجہ سے ایسا نہیں کیا، لیکن مجھے یہ بات ناپسند تھی کہ یہ ٹوپی مشرکین کے ہاتھ لگ جائے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کا موئے مبارک ہو۔ [عمدۃ القاری، جلد ۳، ص ۳۷]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس بھی حضورِ اکرم ﷺ کا ایک بال مبارک تھا اور انھوں نے بھی وصیت فرمائی تھی کہ میرے وصال کے بعد یہ مبارک اور باعظمت بال میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضرت عثمان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری زوجہ نے مجھ کو ایک پانی کا پیالہ دے کر امّ المومنین سیدہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔ کیوں کہ میری زوجہ کی یہ عادت تھی کہ جب بھی کسی کو نظر لگتی یا کوئی بیمار ہوتا تو وہ برتن میں پانی ڈال کر سیدہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھجوا دیتی۔ کیوں کہ سیدہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نبی کریم رحمۃ للعلمین ﷺ کا موئے مبارک تھا، جو چاندی کی نلی میں رکھا ہوا تھا۔ وہ اس کو نکال کر پانی میں ڈال کر ہلا دیتیں اور مریض وہ پانی پی کر شفا

یاب ہو جاتا تھا۔[بخاری شریف، جلد۲، ص۸۷۵]

امام محمد رہاوی ''جامع المعجزات'' میں نقل فرماتے ہیں۔ کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضورﷺ کی داڑھی مبارک کے دو بال اپنے گھر میں تبرکاً رکھے تھے، اُنھوں اپنے گھر میں قرآن کو اچھی آواز سے پڑھتے ہوئے سنا۔ پڑھنے والے کو تلاش کیا، مگر وہاں کسی پڑھنے والے کو نہ پایا۔ یہاں تک کہ جس جگہ موئے مبارک رکھے تھے۔ وہاں آئے تو اس کے قریب قرآن کریم کی تلاوت کو سنا۔ پس آپ حضورﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ عرض کیا۔ حضورﷺ نے فرمایا۔ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کیا تم جانتے ہو کہ فرشتے ہمارے بالوں پر مجتمع کیے گئے ہیں اور ان کے نزدیک قرآن پڑھتے ہیں[تصحیح العقائد، علامہ محمد عبدالحامد بدایونی، ص۸۱-۸۲]

بخاری شریف میں عاصم احول سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس نبی کریمﷺ کا پیالہ دیکھا۔ انھوں نے کہا کہ میں نے اِس پیالے میں بارہا حضورﷺ کو پانی پلایا ہے۔ ابن سیرین نے کہا کہ اِس پیالے میں ایک لوہے کا حلقہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ بجائے لوہے کے، سونے یا چاندی کا حلقہ ڈال لیں، پس ابوطلحہ نے ان سے کہا جس چیز کو رسول اللہﷺ نے بنایا ہے، اِس میں کچھ تغیر و تبدل نہ کرو۔ پس آپ رضی اللہ عنہ نے اِس کو ایسے ہی چھوڑ دیا۔[بخاری شریف، جلد۲، ص۸۴۲]

علامہ ابنِ حجر شمائل میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ نے حضرت انس کی وصال کے بعد اُن کے صاحبزادے سے وہ پیالہ ۸ لاکھ درہم میں خریدا۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے وہ پیالہ بصرہ میں دیکھا اور اس میں تبرکاً پانی پیا۔[شرح مناوی]

ایک روز خداش بن ابی خداش مکی نے رسول اللہﷺ کو ایک پیالہ میں کھانا کھاتے دیکھا، اُنھوں نے وہ پیالہ آپﷺ سے بطورِ تبرک لے لیا۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ جب حضرت خداش کے ہاں تشریف لے جاتے تو اُن سے وہی پیالہ طلب فرماتے، اُسے آبِ زم زم سے بھر کر پیتے اور اپنے چہرے پر چھینٹے مارتے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو عرنہ میں خالد بن نیج ہدلی کے قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا اور اس کا سر لے کر ایک غار میں داخل ہوئے۔ اس غار پر مکڑی نے جالا تن دیا۔ دشمن جو تعاقب میں آئے، اُنھوں نے وہاں کچھ نہ پایا اور نا امید واپس ہوئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ غار سے نکل کر اٹھارہ دن کے بعد خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور خالد کے سر کو سامنے رکھ کر قصہ بیان کیا، حضور ﷺ کے دستِ مبارک میں عصا مبارک تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا! ''بہشت میں اس پر ٹیک لگانا'' وہ عصا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ جب اُن کی وفات کا وقت آیا، تو وصیت کی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ کر میرے ساتھ دفن کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

روایت ہے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہ انھوں نے ایک طیالسی کروانیہ جبہ نکالا، جس کا گریبان ریشم کا تھا اور اس کے دونوں دامن ریشم سے سلے ہوئے تھے اور بولیں یہ جبہ ہے، رسول اللہ ﷺ کا۔ یہ جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ جب وہ وصال فرما گئیں تو اسے میں نے لے لیا۔ نبی کریم ﷺ اسے پہنا کرتے تھے۔ اب ہم اسے بیماروں کے لیے دھوتے ہیں، اِس سے شفا طلب کرتے ہیں۔ [صحیح مسلم، جلد ۲، ص ۱۹۰]

اِس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ انبیا و صالحین کے تبرکات کی زیارت کرنا، ان کا لباس دھو کر بیماروں کو پلانا سنتِ صحابہ ہے۔ اللہ رب العزت اپنے حبیبِ کریم ﷺ کے صدقے ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ نبی الکریم۔

☆☆☆☆☆☆☆

نامۂ اعمال دیکھ کر!

علامہ آفتاب احمد رضوی ☆

سب سے بہتر زمانہ، زمانۂ نبوی ﷺ ہے۔ وہ لمحات اور گھڑیاں مسعود اور مبارک تھیں ۔وحی الٰہی کا نزول ہوا کرتا تھا۔حضراتِ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی محافل ومجالس پیکرِ نور سے منور اور ذاتِ بابرکات سے متبرک ہوتی تھیں ۔ ہر موڑ پر رُشد وہدایت کا اہتمام ہوتا تھا۔ بصارت وبصیر ت ، ایمان وعمل اور ظاہر و باطن کو ترقی وعروج کا غازہ ملتا۔لوگ حسن اخلاقیات کے پیکر ہوتے ۔اپنی حرکات اور اداؤں کو دربارِ رسالت مآب ﷺ سے فیض یافت فرماتے ۔اس لیے ارشاد فرمایا۔ ’’خیر القرونِ قرنی‘‘ ۔ترجمہ: سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔دورِ جاہلیت نے آپ ﷺ کے ورودِ مسعود سے ایسا پلٹا کھایا کہ انقلاب بپا ہو گیا اور وہ وقت تمام اوقات پر فوقیت لے گیا۔تعلیمات نبوی ﷺ نے معاشرے پر گہرے اور دُور رَس اثرات مرتب کیے۔شمعِ رسالت کے پروانے ایمان وکردار سے یوں مزین ہوئے کہ جدھر جلوہ گر ہوتے لوگوں کی کایا پلٹ جاتی اور نفس وشیطان کو مات دے جاتے۔ اِن قدسی صفات مبارک ہستیوں نے یہ امانت بہ حُسن وخوبی قرنِ ثالث کو منتقل کی ۔دیر تک رنگِ تقویٰ اور حسنِ عمل برقرار رہا۔

جوں جوں وقت، نبوی دورِ حسین سے دور ہوتا گیا، ایمان وعمل کی عمارت میں دراڑیں پڑنے لگیں۔ برائی کو ہمدرد ملنے لگے۔شیطان پھر سے سبھلنے لگا،لیکن ربِ کریم نے ہر دور میں ایسی نابغہ روزگار ہستیوں کو دنیا میں بھیجا۔جنھوں نے شبانہ روز اخلاص کی قوت سے ہر محاذ پر پنجہ آزمائی کی اور شر، کی طاقتوں سے حضرتِ انسان کو چھڑانے میں کامیاب رہے۔خیر وشر کی آویزش،حق وباطل کی چپقلش اور سیاہ وسفید کا گھتم گھتا ہونا پرانی روایت ہے۔یہ معرکہ جاری ہے اور رہے گا۔

☆ مہتمم جامعہ اسلامیہ، عیسیٰ خیل (میانوالی)

ستیزہ کار رہا ہے اَزل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

وقت بڑی تیزی سے بدلتا رہا تاوقتیکہ حالات اس ڈگر پر پہنچ گئے کہ شَر غالب ہوتا جا رہا ہے اور خیر مغلوب اور مفلوک الحال۔ قیامت کی نشانیاں ظاہر ہونے لگی ہیں۔ برائی سرِ عام دندنانے لگی ہے۔ نفس وشیطان راج کرنے لگے ہیں۔ تنزل کہیں یا ترقی معکوس، رجعتِ قہقری زوروں پر ہے۔ زوال اس قدر تیزی سے نفوذ کر رہا ہے کہ عقل وخرد سراپا حیرت ہے۔

مخبر صادق ﷺ نے ان حالات کے بارے آگاہ فرمایا تھا اور امت کو دانائے راز سے بتا دیا تھا کہ ان اوقات کے خاکے میں طاغوت کے آلہ کاریوں رنگ بھریں گے۔

آج شوحیٔ قسمت ماحول میں حبس اور تعفن زوروں پر ہے۔ انسانیت نالاں ہے۔ مفاد اور غرض کے لات وہبل سرِ عام پوجے جا رہے ہیں۔ تہذیب کو تخریب کی چھریوں سے کاٹا جا رہا ہے۔ دین ودنیا کے نام پر کیا کیا فساد کھڑے کیے جا رہے ہیں۔ دِل خون کے آنسو روتا ہے اور روح مثلِ بسمل رقص کناں ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ **انما الناس کالابل المائة لا تکاد تجد فیها راحِلة.**

ترجمہ: لوگ ان سو، ۱۰۰، اونٹوں کی طرح ہیں جن میں تم ایک بھی سواری کے قابل نہ پاؤ۔ (متفق علیہ)

جیسا کہ سو اونٹوں میں ایک بھی سواری کے قابل نہ ہو، تو سو انسانوں میں آپ کو ایک بھی کام کا نہیں ملے گا۔ رنگ روپ، شکل وجسامت اور بات چیت میں تجھے انسان محسوس ہوگا۔ لیکن عملاً، ایمانا ً تمہیں خالص بندہ نہیں ملے گا۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں شیخ ملا علی قاری رحمۃ الباری رقم طراز ہیں۔ ''بعض اربابِ حال نے فرمایا کہ یہ زمانہ قحط الرجال کا ہے'' اور حضرت سھل تستری رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ آپ ایک دن

مسجد سے نکلے۔ مسجد کے اندر باہر جمِ کثیر کو دیکھا۔ فرمایا۔ لا الہ الا اللہ والے زیادہ ہیں۔ ان میں مخلص قلیل ہیں۔ ربِ کریم نے بھی اسی معنی پر آیاتِ بینات مین متنبہ فرمایا۔ وقلیل من عبادی الشکور .

ترجمہ: میرے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔

(انسان نقصان میں ہے) الا الذین آمنو ا وعملو الصلحا ت. ترجمہ: مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔

آج برائی کی جڑ یہود و نصاریٰ کی نقالی ہے۔ شکل و عقل، بود و باش، نشست و برخاست اور چال ڈھال میں اہلِ کتب کی پیروی ہو رہی ہے۔ ''شکل موموناں، کرتوت کافراں'' کا زمانہ بھی بہتر تھا۔ آج تو نہ شکل موموناں، نہ کرتوت موموناں۔ اس کے بعد کیا ہوگا سوچ کر اوسان خطا ہونے لگتے ہیں۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے سے اگلوں کی راہ چلو گے، بالشت بالشت کے مطابق اور گز گز کے مطابق، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے ہوں گے، تو تم بھی ان کے پیچھے چلو گے، عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن ۔ ترجمہ: یا رسول اللہ ﷺ یہود و نصاریٰ؟ فرمایا تو اور کون (متفق علیہ) حاملِ علم ما کان وما یکون، نبی غیب داں ﷺ نے جو کچھ فرمایا، حرف بہ حرف حق اور سچ ہے۔ نظر اٹھا کر تو دیکھ، یہودیوں اور عیسائیوں کے طریقوں کو کیسے اختیار کیا جا رہا ہے، مشاہدہ فرمائیں، ہزاروں نمونے سرِ بام بے نقاب ہیں۔

جب دین کو قدامت پرستی کا لیبل دیا جانے لگے۔ اِس دور کو قرونِ اولی کے مقابلے ترجیح دی جانے لگے۔ عقل کو چھوڑ کر محض نقل اور اندھی تقلید سے اندھے کنویں میں گرنے کو ترجیح دی جانے لگے۔ ڈالر اور رِیال کو مقصود و مطلوب بنایا جانے لگے اور دنیاوی زندگی کو اُخروی حیات پر فوقیت دی جانے لگے، تو سوائے افسوس کے کیا کہا جا سکتا ہے۔

کیا کہوں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے

بی اے کیا، نوکر ہوئے، پنشن ملی اور مر گئے

حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ یـذ هب الصا لحو ن الا و ل و تبقی حضا لة کحضا له الشعیر او التمر لا یبا لیهم الله با لةً.

ترجمہ: نیک لوگ آگے پیچھے چلے جائیں گے اور بھوسی رہ جائے گی، جیسے جَو کی یا چھوہاروں کی بھوسی، اللہ تعالی ان کی مطلقاً پرواہ نہیں کرے گا (متفق علیہ)

حقیقت کی نقاب کشائی اس سے بہتر کون کرسکتا ہے۔ نیک لوگ رخصت ہوجائیں گے اور برو ل کا راج رہ جائے گا۔ چھلکا، مغز کے ساتھ قیمتی ہوتا ہے مگر الگ وہ قیمت نہیں رہتی۔ جب اچھے لوگ اُٹھ جائیں گے اور صرف یہی رہ جائیں گے۔ تو قہر و عذاب اور غموم و ہموم کا نزول ہوگا۔ اللہ کریم کو اِن کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ آج لوگ بنظرِ غائر دیکھیں تو صورتِ احوال واقعی اسی طرح ہے۔

ایک بزرگ تشریف لے جا رہے تھے، کسی خاتون کی نظر پڑی۔ دیکھ کر کہا کہ یہ جانے والا اچھا مسلمان ہے۔ اس بزرگ نے جب اپنی شان میں تعریف کے الفاظ سنے تو کسرِ نفسی کا اظہار کرتے ہو ئے فرمایا:

''مسلمانی در کتاب است و مسلماناں در گور اند''

ترجمہ: مسلمانی کتاب میں ہے اور مسلمان قبر میں ہے۔

واقعی نیک روز بہ روز داغِ مفارقت دیتے جا رہے ہیں۔ اور بُرے پنپتے اور پھیلتے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی کی ناراضگی مختلف روپ میں ظاہر ہوتی جاتی ہے۔ کبھی سیلاب، کبھی مہنگائی، کبھی غیروں کی یلغار وغیرہ۔

جاری ہے۔---------

☆☆☆☆☆

حضرت خواجہ ابراھیم بن ادھم بلخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محمد رمضان معینی تونسوی☆

ابو اسحاق ابراھیم بن ادھم بن منصور، آپ کو تمیمی بھی کہا جاتا ہے۔آپ اصلاً بلخی ہیں اور اولادِ مملوک میں سے ہیں، آپ نے تابعین کی ایک جماعت، جیسے ابو اسحاق السبیعی، ابو حازم، قتادہ، مالک بن دینار، اعمش اور ابان سے روایت کی ہے، اور بادشاہی کو چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی اور کوفہ اور پھر شام میں رہتے تھے (تاریخ ابن خلقان حصہ اول ص ۳۳) حضرت علی ہجویری لاہوری تحریر کرتے ہیں کہ: ابو اسحاق ابراھیم بن ادھم بن منصور (کشف المحجوب ص ۱۷۹) کئی متقدمین سے ملاقات کر چکے تھے امام ابو حنیفہ سے بھی ملے اور ان سے علم حاصل کیا (کشف المحجوب، ص ۱۸۱) شیخ فرید الدین عطار تحریر کرتے ہیں کہ: بہت عرصہ تک حضرت امام ابو حنیفہؒ کی صحبت میں رہے (تذکرۃ الاولیا، مترجم، ص ۵۲، باب ۱۱) حضرت امام شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت ابراھیم بن ادھم رضی اللہ عنہ مال و دولت، حکومت و ریاست چھوڑ کر راہِ فقر پر کس طرح لگ گئے اس کے بارے میں ایک روایت ہے۔

ایک بار شکار کے لیے گئے ایک لومڑی یا خرگوش کا پیچھا کر رہے تھے کہ غیب سے آواز آئی، تم اس لیے پیدا کئے گئے ہو، یا اسی کا تمہیں حکم دیا گیا ہے؟ پھر ان کے گھوڑے کی زین سے جواب آیا نہیں ہم نہ اس کے لیے پیدا کئے گئے ہیں اور نہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے۔

☆ خانقاہِ معلیٰ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ سے وابستہ، سلسلہ چشت کے ساتھ بے پناہ عقیدت و محبت رکھنے والے، خصوصاً اپنے خانوادے سے۔کتبِ تصوف کا خوبصورت ذخیرہ رکھتے ہیں۔

حضرت ابراھیم بن ادھم رضی اللہ عنہ یہ سن کر اپنی سواری سے اتر گئے ۔ اپنے باپ کے گلہ بان کو راہ میں پا گئے ۔ اس سے اون کا کمبل لے کر پہن لیا، اپنا گھوڑا اور جو کچھ ساتھ تھا اسے دے دیا اور جنگل کی راہ لی ۔ (روضۃ الریاحین اردو، ص۲۹۳ تا ۲۹۴)

کنیت آں حضرت ابو اسحاق ونسب شریفش ابراھیم بن ادھم بن سلیمان بن منصور بن ناصر بن عبد اللہ بن امیر المومنین حضرت فاروق عادل عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلخی است (سیر الاقطاب فارسی ص، ۲۹) کتب سیر وتواریخ معتبر چناں رقم گشتہ حکایت کہ پدر بزرگ وار آں حضرت ادھم نامی قلندری بود صحیح النسب فاروقی مرقوم الصدر (سیر الاقطاب فارسی ،ص ۳۰) کنیت ابو اسحاق ہے آپ نسباً ادھم بن سلیمان بن منصور بلخی شاہانِ بلخ کی اولاد میں سے تھے (مراۃ الاسرار،ص ۲۸۷)

آپؒ کا نام ابراھیم اور کنیت ابو اسحاق ہے ۔ آپ کا شجرہ نسب یوں ہے ابراھیم بن ادھم بن سلیمان بن منصور البلخی (مخزن چشت اردو،ص ۱۳۹) سیر الاقطاب کے مولف لکھتے ہیں کہ خرقہ فقر وارادت از سراج الواصلین حضرت خواجہ فضیل بن عیاض قدس اللہ اسرارہم پوشیدہ (سیر الاقطاب فارسی ،ص ۲۹)

تعلیم نقل است کہ آں حضرت بہ امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیز صحبت داشت (سیر الاقطاب فارسی ،ص ۳۰)

شیخ فرید الدین عطار فرماتے ہیں کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ گم ہو گئے ۔ معلوم نہیں کہ آپ کی قبر کہاں ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا مزار بغداد میں امام احمد بن حنبل کے مزار کے متصل ہے ۔ بعض کا خیال ہے ملکِ شام میں حضرت لوط علیہ السلام کے مزار کے پاس ہے ۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات ملکِ شام میں ۱۶۱ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۱۶۶ھ میں ہوئی ۔ ایک قول کے مطابق آپ کی وفات یکم ماہِ شوال ۱۸۷ھ کو ابو عبد اللہ خلیفہ سوم کے عہد حکومت میں ہوئی ۔ (مراۃ الاسرار،ص ۲۹۰)

خواجہ امام بخش مہارویؒ لکھتے ہیں کہ ''طبقاتِ حسامیہ'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے

حجابِ باطنی حضرت داود بلخی (داود بلخی کے حالات کے لیے مراۃ الاسرار ملاحظہ کریں) کی توجہ سے دور ہوئے۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ سب کچھ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات کے ذریعے ہوا اور ان دونوں حضرات کی توجہ سے آپ پر غیبی اسرار ظاہر ہوئے۔الغرض جب آپ مکہ معظّمہ پہنچے تو حضرت خواجہ فضیل بن عیاض کے ہاتھ پر بیعت کی اور انھوں نے ہی آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔بعض کتب میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ کو خرقۂ خلافت حضرت امام باقرؓ سے ملا تھا اور ان کی صحبت کے طفیل آپ نے مدارج طے کیے تھے۔''سیر الاولیاء'' میں ہے کہ حضرت ابراھیم بن ادھم اپنی آخری عمر میں لوگوں کی نظر سے غائب ہو گئے تھے۔کسی کو یہ پتہ نہیں تھا کہ آپ کہاں ہیں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ شہرت سے سخت متنفر تھے اور لوگوں سے الگ رہنا پسند کرتے تھے۔بعض سمجھتے ہیں کہ آپ بغداد چلے گئے تھے اور وہاں آپ کی وفات ہوئی بعض کا خیال ہے کہ آپ شام چلے گئے تھے اور وہیں انتقال ہوا اور اکثر لوگوں کی تو یہ رائے ہے کہ جس غار میں حضرت لوط علیہ السلام نے کا وصال ہوا، اُسی غار میں آپ کا انتقال ہوا۔بعض کا خیال ہے کہ آپؒ کی قبر امام احمد بن حنبلؒ کی قبر کے پہلو میں موجود ہے۔لیکن ''تاریخِ بیت المقدس'' میں لکھا کہ آپ نے مدینہ منورہ میں وفات پائی اور طرالیس محلّہ میں آپ کی قبر مبارک ہے جو کہ مشہور ہے۔تاریخ وصال کسی نے اوائل شوال اور کسی نے ۲۰؍جمادی الاول بتلائی ہے۔واللہ اعلم بالصواب (مخزنِ چشت اردو،ص ۱۵۱،۱۵۲)

؎ نقل است کہ آں حضرت دو خلیفہ اکمل و مکمل داشت خواجہ حذیفہ مرعشی و خواجہ شفیق بلخی قدس اللہ اسرارہم (سیر الاقطاب فارسی،ص ۴۴) آپ نے ۱۶۰ھ میں جزیرہ میں وفات پائی اور آپ کو صور میں لا کر دفن کیا گیا۔(تاریخ ابنِ خلقان، حصہ اول،ص ۳۴)

اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ میں تحریر ہے کہ:

ابراھیم بن ادہم بن منصور (ابو اسحاق) التمیمی العجلی :مشہور زاہد بلخ کے رہنے والے

تھے۔[مکے میں پیدا ہوئے۔ الکتبی] روایت ہے کہ ان کی وفات اس وقت ہوئی جب کہ وہ یونانیوں کے خلاف ایک بحری مہم میں شریک تھے۔(حلیۃ الاولیاء نسخہ لائڈن، ۱: ۱۸۸) و[مطبوعہ ۷، ۳۸۸] مگر ان کے سنہ وفات کے متعلق اختلاف ہے۔ بہر حال آپ ۱۶۰ھ/ ۷۷۶ء اور ۱۶۶ھ/ ۷۸۳ء کے درمیان فوت ہوئے۔

اس موقع پر محمد بن کناسۃ کوفی (م ۲۰۷ھ/ ۸۲۲ء) نے، جس کی والدہ ابراھیم بن ادھم کی بہن تھیں[قب اغانی: و کان ابراھیم ... خالہ او ابن خالہ]، کچھ اشعار ابراھیم کے زہد اور ذاتی بہادری کی تعریف میں کہے تھے جن میں اس مغربی قبر، (الجدث الغربی) کا بھی ذکر کیا تھا جس میں ابراھیم مدفون ہوئے۔ وہ اشعار یہ ہیں

اماتَ الھویٰ حتی تجنبہ الھویٰ　　کما اجتنب الجانی الدم الطالب الدما

اس نے اپنی خواہشات کو مارا۔ حتٰی کہ اس سے دور ہو گئیں۔

وللحلم سلطان علی الجھل عندہ　　فما یستطیع الجھل ان یتزمزما

جیسے جرم کرنے والا خون طلب کرنے والے سے دور ہوتا ہے۔

واکثر ماتلقاہ فی القوم صامتا　　وان قال بذالقائلین و احکما

اس کا حوصلہ جہالت پر غالب تھا۔ جہالت اس کے سامنے بڑبڑانے کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔

یری مستکینا خاضعا متواضعا　　لیثا اذا فی لاقی الکتیبۃ ضیغما

دیکھنے میں مسکین متواضع نظر آتا تھا مگر جب لشکر سے ملاقات کرے تو بہادر شیر بن جاتا ہے۔

علی الجدث الغربی من آل وائل　　سلام و بر ماابر و اکرما

آل وائل سے مغربی قبر جو ابراھیم کی ہے اس پر سلام راحتیں ہوں نیک اور کرم والا تھا۔

(اغانی، ۱۲: ۱۳ ابعد)

ایک بیان کے مطابق انھیں بلادِ روم کے ایک قلعہ سوقین میں دفن کیا گیا تھا(یاقوت، طبع وستنفلٹ،

۱۹۶:۳، سطر۱۴)

[ایک اور روایت یہ ہے کہ وہ بلادِ روم میں ایک بحری جزیرے میں دفن ہوئے۔ الکتبی] اس واقعے کی تائید کہ وہ صوفی مشرب اختیار کرنے کے بعد وطن چھوڑ کر شام چلے گئے اور وہیں وفات تک محنت مزدوری پر گزران کرتے رہے۔

کرامات، واقعات:

روضۃ الریاحین [اردو] میں امام یافعی (پ ۶۷۸ھ، م ۷۶۸ھ) تحریر کرتے ہیں کہ: حضرت حذیفہ مرعشی علیہ الرحمہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ نے حضرت ابراھیم بن ادھم رضی اللہ عنہ کی کوئی عظیم کرامت دیکھی ہو تو فرمائیں۔ انھوں نے کہا کہ ان کی سب سے عجیب کرامت یہ ہے کہ ہم مکہ معظمہ کے راستے کئی روز چلتے رہے، کھانے کو کچھ نہ ملا، کوفہ پہنچ کر ہم لوگوں نے ایک ویران مسجد میں پناہ لی۔ حضرت ابراھیم بن ادھم نے مجھے دیکھ کر فرمایا: حذیفہ بھوکے لگتے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ حضور کا خیال بجا ہے۔ انھوں نے فرمایا: قلم دوات اور کاغذ لاؤ۔ رقعہ تحریر فرمایا:
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ہر حال میں تو ہی مقصود ہے اور ہر طرح تیری ہی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ تین شعر بھی لکھے جن کا مفہوم یہ ہے۔

میں حامد، میں شاکر، میں ذاکر ہوں۔ میں بھوکا ہوں، میں قانع، میں برہنہ ہوں۔ یہ چھ ہوئے جن میں سے نصف کا ضامن میں ہوں تو اے میرے خالق باقی نصف کا ضامن تو ہو جا۔ تیرے سوا کسی اور کی مدح آگ کے شعلوں میں پڑنے کے مترادف ہے، تو، تو اپنے بندوں کو آگ میں جانے سے بچا، یہ رقعہ مجھے دے کر فرمایا۔ جاؤ خدا کے علاوہ کسی سے دل نہ لگانا اور راستے میں جو شخص تمھیں پہلے ملے۔ یہ رقعہ اسے دے دینا۔ میں مسجد سے رقعہ لے کر چلا کچھ دور ایک شخص ملا جو دراز گوش پر سوار تھا میں نے اسے رقعہ دیا، تو وہ پڑھ کر رونے لگا اور پوچھا اس کا لکھنے والا کہاں ہے؟ میں نے کہا فلاں مسجد میں مقیم ہے۔ اس نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں سو دینار تھے اور چلا گیا۔ ایک دوسرے شخص سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ خچر سوار تو نصرانی ہے۔ وہ دیناروں بھری تھیلی لے

کر میں حضرت ابراھیم بن ادھم کی خدمت میں لوٹ آیا، اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ انھوں نے فرمایا، درہموں کو کو ہاتھ نہ لگانا۔ اس کا مالک ابھی آئے گا کچھ دیر بعد وہ راہب حضرت ابراھیم بن ادہمؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدموں میں گرا اور اپنے باطل مذہب سے تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ (روضۃ الریاحین اردو، ص ۲۴۱، ۲۴۳)

ابراھیم بن ادھم فرماتے ہیں: ہم نے فقر مانگا تو مال داری نے ہمارا استقبال کیا لوگوں نے مال داری مانگی تو فقر نے ان کا استقبال کیا (رسالہ قشیریہ اردو، ص ۵۰۰)

بعض نے سفر کو ترجیح دی اور مرتے دم تک سفر میں رہے مثلاً ابوعبداللہ مغربی ابراھیم بن ادھم وغیرہ (رسالہ قشیریہ اردو، ص ۵۲۴)

ابراھیم بن ادھم فصلوں کی کٹائی اور باغوں کی نگہبانی وغیرہ کاموں میں نوکری کر لیا کرتے تھے اور جو رقم مل جاتی اُسے اپنے ساتھیوں پر خرچ کر دیتے تھے۔ (رسالہ قشیریہ، ص ۵۳۴)

کہا جاتا ہے کہ ابراھیم اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ تھے آپ دن کو کام کرتے اور جو کچھ کماتے اپنے ساتھیوں پر خرچ کر دیتے۔ رات ہوتی تو ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے۔ سب روزہ رکھا کرتے تھے۔ ابراھیم اپنے کام سے دیر سے آیا کرتے۔ ایک رات ساتھیوں نے کہا۔ آؤ ہم اپنی افطاری اس کے بغیر کھالیں تاکہ آئندہ سے وہ جلدی واپس آیا کرے۔ لہٰذا وہ روزہ افطار کر کے سو گئے۔ جب ابراھیم واپس آئے تو انھیں سویا ہوا پایا، کہنے لگے شاید ان مسکینوں کو کھانا نہیں ملا، گھر میں آٹا تھا۔ ابراھیمؒ نے اسے لے کر گوندھا، آگ جلائی اور کوئلے جلائے، اِس پر وہ جاگ اٹھے، دیکھا ابراھیم چولہا پھونک رہے ہیں اور آپ کا رخسار زمین سے لگ رہا تھا، انھوں نے جب دریافت کیا تو فرمایا: کہ میں نے سمجھا کہ تمھیں افطاری کے لیے کوئی چیز نہیں ملی اس لیے سو گئے ہو اور خیال کیا جب انگارے روشن ہو جائیں تو تم لوگوں کو بیدار کروں۔ اس پر وہ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے ذرا غور کرو کہ ہم نے ان سے کیا برتاؤ کیا اور یہ ہم سے کیا برتاؤ کر رہے ہیں۔ (رسالہ قشیریہ اُردو، ص ۵۳۴، ۵۳۵) کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص ابراھیم بن ادھم کی صحبت

میں آتا تو آپ اسے تین شرطیں پیش کرتے۔

۱۔ خدمت وہی کریں گے۔

۲۔ اذان وہی دیں گے۔

۳۔ وہ تمام چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے انھیں دیں۔ان میں ان کا اسی قدر دخل ہوگا جس قدر کسی اور کا۔

ایک دن ان کے ایک ساتھی نے کہا میں ان شرائط پر پابند نہیں رہ سکتا تو فرمایا تمہارا سچ مجھے بہت پسند آیا ہے۔(قشیریہ اُردو،ص ۵۳۵)

کرامات۔قشیریہ ص ۶۳۹،۶۴۴،۶۴۹،

خانوادہ ادھمیان،ص ۵۳۰تا ۵۳۳

لطایفِ اشرفی،حصہ اول

ملفوظات

آپ سے کسی نے دریافت فرمایا۔کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ارشادِ ربانی ہے۔(ادعونی استجب لکم) آپؒ نے جواباً فرمایا۔

۱۔ یہ کہ تم نے حق تعالیٰ کو پہچانا مگر اس کی معرفت کا حق ادا نہ کیا۔

۲۔ قرآنِ مجید کو پڑھا،اس پر عمل نہ کیا۔

۳۔ رسولِ کریم ﷺ کی محبت کا دعویٰ کیا مگر آپ کی سنت کو ترک کیا۔

۴۔ شیطان سے دشمنی،مگر اعمال میں اس کی موافقت کی۔

۵۔ جنت کے طلبگار ہو،مگر اس کے لیے عمل نہیں کرتے۔

اسی طرح سے پانچ چیزیں اور آپ نے شمار فرمائیں

۱۔ اُس کی نعمتیں کھاتے ہو مگر شکر نہیں کرتے۔

۲۔ شیطان کو دشمن جانتے ہو مگر اس سے عداوت نہیں کرتے۔

۳۔ جانتے ہو کہ موت آنے والی ہے مگر اس کا فکر نہیں کرتے۔

۴۔ ماں باپ کو قبر میں دفن کرتے ہو مگر عبرت حاصل نہیں کرتے۔

۵۔ جانتے ہو کہ ہمارے عیب موجود ہیں پھر بھی دوسروں کے عیب تلاش کرتے ہو۔

کسی نے آپ سے سوال کیا کہ آپ لوگوں سے میل جول کیوں نہیں رکھتے، فرمایا! میرا ان سے ملاقات کرنا اس کے حق کو ساقط کرتا ہے۔ آپ اپنی دعا میں اکثر فرمایا کرتے اے میرے رب تو جو آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے اسی طرح دنیا کو ابراہیم سے روکے رکھ۔

آپؒ نے فرمایا: کوئی دوست اپنے دوست سے روزہ کے متعلق دریافت نہ کرے۔ اگر اس نے کہا میں روزہ سے ہوں، تو اُس کا نفس خوش ہوگا اور اگر انکار کیا تو اس کا نفس غمگین ہوگا اور یہ دونوں ریا کاری کی علامتیں ہیں۔ اور اس میں مسئول کی فضیحت ہے اور سائل کا اس کا قابل اخفا حالت پر مطلع ہونا۔

جو شخص اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کو اچھا کہیں وہ نہ متقی ہے اور نہ ہی با اخلاص۔

ہم نے اپنے کلام کو ایسا صاف اور درست کرلیا ہے اس میں کبھی غلطی نہیں کرتے اور عمل میں ایسے خطا کار ہو گئے ہیں کبھی اس کی اصلاح نہیں کرتے۔

گوشہ نشینی کا ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ انسان کوئی برائی نہیں دیکھتا جس کو وہ ناپسند کرے۔

اللہ تعالیٰ اس آدمی کے دل میں استغفار نہیں ڈالتا جس کو عذاب دینا منظور ہو۔

وصال مبارک:

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ لکھتے ہیں کہ: آپ کا انتقال ملکِ شام میں ہوا۔ آپ کے سالِ وصال میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ ۱۶۱ھ یا ۱۶۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ ایک روایت میں ۱۶۶ھ ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے۔ (نفحات الانس، مترجم مولانا شمس بریلوی، ص ۱۹۰)

شہزادہ داراشکوہ قادری لکھتے ہیں کہ: آپ کی وفات ۱۶ جمادی الاول ۱۶۴ھ کو ہوئی مزار مبارک جبلہ شام میں ہے، ایک روایت میں بغداد کہا گیا ہے، لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے

(سفینۃ الاولیاء، اردو ترجمہ ناشر نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع پنجم، ص ۱۲۳) فارسی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وفات ایشاں شانزدہم جمادی الاول در سال یک صد وشصت ودو و یا شصت یک ہجری بودہ، قبر ایشاں در جبلہ شام است و بروایتی بغداد وقول اول اصح است (سفینۃ الاولیاء فارسی، ص ۸۸، در مطبع نامی منشی نول کشور بطبع مزین مقبول جہاں گردید لکھنو مئی ۱۸۷۲ء)

شیخ اللہ دین چشتی صابری لکھتے ہیں کہ: نقل است کہ آں حضرت را در اواخر حال جائے تعین نماند واز نظر مردم پنہاں شد، بعضے گویند در بغداد و بعضے گویند در شام، واضح آن ست در مقبرہ لوط پیغمبر علیہ السلام ودر آں جا غاری بود ودرا اقامت کرد وہم آنجا وفات یافت (سیر الاقطاب فارسی، ص ۴۴، ۴۵) نقل است کہ آں حضرت بست و ششم ماہِ جمادی الاول، سنہ ثمانین ومائتین برحمت حق پیوست چنانچہ تاریخ وفات ایں دعا گوی درویشاں ''امامِ اصفیا'' بود یافتہ است (سیر الاقطاب فارسی، ص ۴۵)

شیخ عبد الرحمٰن چشتی صابری (پ ۱۰۰۵ھ، م ۱۰۹۴ھ) مراۃ الاسرار (عہد تالیف ۱۰۴۵ھ تا ۱۰۶۵ھ) میں تحریر کرتے ہیں کہ: شیخ فرید الدین عطار فرماتے ہیں کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ گم ہو گئے، معلوم نہیں آپ کی قبر کہاں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا مزار مبارک بغداد میں امام احمد بن حنبل کے مزار کے متصل ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ملکِ شام میں حضرت لوط علیہ السلام کے مزار کے پاس ہے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات ملک شام میں ۱۶۱ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۱۶۶ھ میں ہوئی۔ ایک قول کے مطابق آپ کی وفات یکم ماہ شوال ۱۸۷ھ کو ابو عبد اللہ خلیفہ سوم کے عہد حکومت میں ہوئی (مراۃ الاسرار، اردو ترجمہ کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری، مطبوعہ لاہور، رجب المرجب ۱۴۱۳ھ/ص ۲۹۰)

محمد اکرم براسوی چشتی صابری لکھتے ہیں کہ: صاحب سیر الاقطاب میگوید کہ خواجہ ابراھیم قدس سرہ در اواخر حال از نظر مردم پنہاں شد، معلوم نیست کہ خاکِ پاک او کجا است، بعضے گویند در بغداد

پہلوئے امام احمد بن حنبل است وبعضی گویند در شام آنجا کہ خاکِ لوط پیغمبر علیہ السلام است و صاحبِ نفحات گوید کہ وفاتش بشام درسنہ احدی وستین وما ئۃ وبہ روایتی درسنہ ثمانین ومائتین وبہ قول درسنہ ست وستین ومایۃ وبروایتی غرہ ماہِ شوال وبہ روایتی ششم جمادی الاول درزمان خلافتِ ابوعبد اللہ محمد بن عبداللہ ذوانقی کہ خلیفہ سیوم بوداز بنی عباس واقع شد (اقتباس الانوار فارسی، مطبوعہ لاہور، ص۱۰۱)

حضرت ابراھیم بن ادھمؒ کے حالات کے لیے اہم ماخذات۔

۱۔ ابنِ عماد حنبلی، شذرات الذھب، ۱/۲۵۵ دارالمیسر ہ، بیروت ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۲۔ ابونعیم اصبہانی، حلیۃ الاولیاء، ۷/۳۶۷ دارالکتاب بیروت ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء

۳۔ ابنِ خلقان احمد بن محمد (ف ۶۸۱ھ) ''وفیات الاعیان وابناء الزمان'' ص ۱/۳۱،
تحقیق احسان عباس، دارصادر بیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ نیز مصر ۱۳۱۰ھ

۴۔ خیرالدین، الزرکلی الاعلام ج، ۱/۲۴ غلام قادرلون علی گڑھی

۵۔ ابوالفد اعمادالدین ابنِ کثیر اسمعیل بن عمر (۷۰۱ھ-۷۷۴ھ) ''البدایہ والنہایہ'' حصہ معروف بہ تاریخ ابنِ کثیر، دہم ص ۶۰۸-۶۰۹ نفیس اکیڈمی، کراچی طبع اول، جون ۱۹۸۸ء

۶۔ طبقاتِ ابنِ سعد، حصہ پنجم، ص ۳۵۷۔

۷۔ تاریخ ابنِ خلقان حصہ اول میں دیکھیے ص ۳۳ تا ۳۴ ،مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی

۸۔ طبقات الصوفیہ، مولف ابوعبدالرحمٰن سلمی، مترجم شاہ محمد چشتی، مطبوعہ لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۳۸ تا ۴۴

۹۔ کشف المحجوب، عثمان علی ہجویریؒ، مطبوعہ لاہور، ص ۱۷۹ تا ۱۸۱

۱۰۔ سبع سنابل، ص ۴۱۳ تا ۴۱۵

۱۱۔ سیر الاقطاب

۱۲۔ مراۃ الاسرار، ص ۲۸۷ تا ۲۹۰

۱۳۔ خواجہ امام بخش مہارویؒ (م ۱۳۰۰ھ)، مخزنِ چشت، مترجم پروفیسر افتخار احمد چشتی، سال اشاعت ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء فیصل آباد، ۱۳۹ تا ۱۵۲

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دعا

حضرت خواجہ محمد اقبالؒ حضرت سلطان المشائخ کے مرید اور خادمِ خاص تھے۔ حضرت کے وضو کے لیے پانی کا انتظام کرنا۔ لنگر خانے کا انتظام انھی کے سپرد تھا۔ خدمت کی وجہ سے سلطان المشائخ کے ساتھ ایک خصوصی قرب تھا۔ اِس تقربِ خاص کی وجہ سے لوگ اپنی درخواستیں خواجہ اقبال کے ذریعہ سلطان المشائخؒ کی بارگاہ میں پیش کرتے۔

پس خواجہ اقبال فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلطان المشائخ نے کرم فرماتے ہوئے مجھے ایک خاص دعا عنایت فرمائی اور سلطان المشائخؒ نے خود ہی دعا کی فضیلت بھی بیان فرمائی کہ میں نے تقریباً تین سو مشکل ترین کاموں کے لیے اس دعا کو تین سو مرتبہ پڑھا۔ خدائے بزرگ و برتر نے میرے انتہائی مشکل امور کو انتہائی آسان فرمادیا، یعنی ہر ایک مشکل کام کے لیے اِدعا کو تین سو مرتبہ پڑھیں۔ دعا یہ ہے۔

یَا حَیُّ یَا حَلِیْمُ یَا عَزِیْزُ یَا کَرِیْمُ سُبْحَانَکَ یَا کَرِیْمُ تُوْ کُنی کَارِ صَعْبِ رَا سَلِیْم . بِحَقِّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ .

[وضائف چشت اہلِ بہشت، مرتبہ صاحبزادہ بشیر احمد مدظلہ العالی]

بابافرید شکر گنجؒ ۔۔۔۔اُردو کے اولین معمار

ڈاکٹر ارشد محمود ناشادؔ☆

برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کے فاتحانہ ورود نے اس خطے کی تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی، مذہبی اور سماجی زندگی کو یکسر بدل ڈالا۔ زبان چوں کہ تہذیبی زندگی کی ترجمان اور سماج کی نقیب ہوتی ہے اس لیے سماجی ڈھانچے کی تبدیلی فوری طور پر زبان پر اثرات مرتب کرتی ہے۔ مسلمانوں کی آمد کے وقت ہندوستان میں کئی زبانیں، بولیاں اور پراکرتیں لوگوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ تھیں اور اپنی اپنی حریم میں مقید۔ کُچھ پراکرتوں نے البتہ اپنے قدم مخصوص جغرافیے کی چار دیواری سے باہر نکالنے شروع کر دیے تھے اور ارد گرد کی بولیوں سے اخذ و استفادہ کی راہیں ہموار کرنے لگی تھیں۔ مسلمانوں کے ساتھ تین توانا زبانیں عربی، فارسی اور تُرکی جب اس خطے میں وارد ہوئیں تو مقامی زبانوں اور بولیوں میں جیسے زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی۔ وہ پراکرتیں جو پہلے ہی تبدیلی کے عمل سے گزر رہی تھیں، انھیں تیزی سے اپنے لسانی کینڈے کو تبدیل کرنے کا موقع مل گیا۔ مسلمانوں کی زبانوں نے مقامی بولیوں کی بدلتی ہوئی صورتوں میں سرعت پیدا کر دی۔ کئی علماے لسان کا کہنا ہے کہ اگر

☆ اسسٹنٹ پروفیسر (شعبۂ اُردو)، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد

مسلمان اس خطے میں وارد نہ بھی ہوتے تب بھی یہاں ایک نیا لسانی دور ضرور آغاز ہوتا۔ سُنیتی کمار چیٹر جی رقم طراز ہیں:

> ''اگر ہندوستان پر مسلم قبضہ نہ بھی ہوتا تو بھی لسانی تبدیلیاں رونما ہوتیں اور ایک نیا لسانی دور شروع ہو کر رہتا۔ لیکن جدید ہند آریائی زبانوں کی پیدائش اور ان کے اندر ادب کی تخلیق اتنی جلد نہ ہوتی اگر مسلمانوں کے زیرِ اثر ایک نئے تہذیبی دور کا آغاز نہ ہوتا۔''(۱)

محمد بن قاسم کی فتح سندھ اور ملتان سے لے کر محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملوں تک کا زمانہ مقامی بولیوں کی شکست و ریخت اور تعمیرِ نو کا زمانہ ہے۔ اس مختصر عرصے میں یہاں کی کئی بولیوں اور پراکرتوں نے اپنے پُرانے رنگ و آہنگ کو بڑی حد تک تبدیل کیا اور نئی صورتیں اختیار کر لیں۔ محمود غزنوی کے بعد کا زمانہ ان بولیوں کی تزئین و آرائش اور تراش خراش کا زمانہ ہے جو اکبر اور شاہ جہان کے عہد تک پھیلا ہوا ہے۔ اس عرصے میں یہاں کی زبانیں اپنے لسانی دائرے کو مکمل کر کے اتنی توانا ہو گئیں کہ مسلمانوں کی درباری زبان فارسی سے چشمک کرنے لگیں۔ ہندوستان میں ابھرنے والی ان تازہ زبانوں میں اُردو بھی شامل ہے جو کہیں ملتانی، کہیں لاہوری، کہیں ہندوی اور کہیں دکنی جیسے ناموں سے موسوم رہی اور شمال سے جنوب اور پورب سے پچھّم کی طرف سفر کرتے کرتے اُردوئے معلیٰ اور اُردو کے منصب تک پہنچی۔ اس نے صحیح معنوں میں گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا اور اسے مختلف علاقوں میں پروان

چڑھنے کا موقع ملا۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اُردو کے تشکیلی سفر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''یہ (اُردو) کسی خاص علاقے ، مذہب، کسی خاص فرقے، قبیلے ، طبقے یا جماعت کی زبان نہیں۔ اس کی تشکیل و ترویج میں برصغیر کے تمام صوبوں، علاقوں اور ان کے لوگوں کی مقامی بولیوں، لوک گیتوں ، کہانیوں اور سنگیت نے حصّہ لیا ہے۔ اس لیے اُردو قیدِ مقام سے آزاد ہے۔ کبھی پنجاب کے لہلہاتے سبزہ زاروں میں اس نے بچپن گزارا اور کبھی دلّی کی گلیوں اور بازاروں میں اسے پھرتے دیکھا گیا۔ اس کی جوانی کی اٹھان دکن اور گجرات میں ہوئی۔ پھر یہ شمالی ہند میں لوٹی تو دِلّی کی شاہی اسے نصیب ہوئی۔ دلی اُجڑ کر فیض آباد اور لکھنؤ پر رونق آئی تو اس نے پُورب دیس کو اپنا مسکن بنایا لیکن اس کی آواز سرحد کے بلند پہاڑوں، بنگال کے دریاؤں، لہلہاتے دھانوں کے کھیتوں، سندھ کے روپہلے چمکتے ریتیلے میدانوں، کشمیر کے سبزہ زاروں اور جوئے باروں میں ہر جگہ سنائی دیتی رہی۔ جدید ہندوستانی پاکستانی زبانوں میں یہ وسعت، ہمہ گیری اور پھیلاؤ اُردو کے ہی حصہ

میں آیا ہے اور آج بھی یہ اس کی ایک ممتاز

روایت ہے۔"(۲)

اُردو کی تعمیر اور تشکیل میں اگرچہ مختلف علاقوں اور صوبوں نے اپنا اپنا حصّہ ڈالا مگر اس کا خمیر پنجاب کی دھرتی سے اُٹھا اور اس کا بچپن پنجاب کے پانیوں سے سیراب ہوا۔ پنجاب اور پنجابی زبان کے ساتھ اس کا تعلق اور رشتہ اتنا مضبوط اور گہرا ہے جسے کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ حافظ محمود شیرانی، پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی، عین الحق فرید کوٹی، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر جمیل جالبی اور دوسرے محققین نے اُردو کے پنجاب اور پنجابی زبان کے ساتھ گہرے رشتے کو دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کیا ہے؛ ان محققین کے نقطۂ نظر سے اختلاف کیا گیا اور آئندہ بھی کیا جاتا رہے گا مگر اسے رد کرنا روزِ روشن کا ابطال کرنا ہے۔ اُردو کے عرصۂ تشکیل کے بیش تر نقوش اور اس کی تعمیر کے ابتدائی زمانے کے خال وخط پنجاب کی دھرتی میں جا بہ جا چمکتے نظر آتے ہیں۔ اس زبان کے معلوم قدیم ادبی نمونے پنجاب سے ہی دریافت ہوئے ہیں؛ اس لحاظ سے پنجاب کی دھرتی اُردو کے لیے آغوشِ مادر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اُردو کے بنیاد گزاروں اور اولین معماروں میں بابا فرید شکر گنجؒ کا نامِ نامی بھی شامل ہے۔

بابا فریدؒ سلسلۂ چشتیہ کے روحانی پیشوا اور پنجاب کے صوفی دانش ور تھے۔ وہ ملتان کے قریب کوٹھے وال نامی گاؤں میں پیدا ہوئے؛ تعلیم و تربیت کی تکمیل کے بعد سلسلۂ چشتیہ کے نامور صوفی حضرت بختیار کاکیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر مسندِ خلافت وارشاد پر

متمکن ہوئے۔ مرشدِ گرامی کے حکم پر اجودھن کے ویرانے کو اپنا مسکن و مستقر ٹھہرایا جو آپ کے دم قدم سے رشد و ہدایت کا مرکز و منبع ٹھہرا اور چار دانگِ عالم میں پاک پتن کے نام سے معروف ہوا۔ بابا فریدؒ نے خلقِ خدا کی روحانی تربیت اور عارفانہ پیغام کو عام کرنے کے لیے عربی اور فارسی جیسی توانا زبانوں کا سہارا نہیں لیا بلکہ مقامی لوگوں کی زبانوں اور بولیوں کو اظہار و بیان کے لیے استعمال کر کے ان کو ایسے جواہر پاروں سے مالا مال کر دیا جن سے دُنیا کی بڑی بڑی زبانوں کا دامن خالی ہے۔ بابا فریدؒ نے فارسی، پنجابی اور اُردو میں شاعری کی۔ اُن کی پنجابی شاعری کا ایک بڑا حصّہ سکھوں کی مقدس کتاب ''گرنتھ صاحب'' میں شامل ہو کر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوا مگر فارسی اور اُردو کلام یہاں وہاں بکھر کر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ تاہم ملفوظات کے مجموعوں، تذکروں، تاریخوں اور قلمی بیاضوں میں اس متاعِ گم گشتہ کے کُچھ کُچھ نمونے مل جاتے ہیں۔ یہ دستیاب نمونے نقل در نقل، زبانی روایتوں اور سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے ہوئے اپنی اصلی صورت سے دُور ہوتے چلے گئے، یہی وجہ ہے کہ ان سے منسوب ریختوں کو بعض محققین نے ان کی تخلیق تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ بابا فرید کے ''آدگرنتھ'' میں شامل پنجابی کلام کو بھی میکالیف اور مابعد کے بعض تذکرہ نویسوں نے شیخ ابراہیم فرید ثانی کی تخلیق بتایا ہے مگر یہ خیال درست نہیں، شیخ ابراہیم فرید ثانی کے شاعر ہونے کی کوئی معاصر یا معتبر شہادت دستیاب نہیں اس کے برعکس بابا فرید کے فارسی، پنجابی اور ہندوی کے شاعر ہونے کی معتبر اور واضح شہادتیں موجود ہیں اور ان کے کلام کے نمونے بعض ایسے کتابوں میں

شامل ہیں جو فرید ثانی کی پیدائش سے پہلے تصنیف و تالیف ہوئیں۔

بابا فریدؒ کے ہندوی (اُردو) کلام کا پہلا معتبر نمونہ شیخ بہا الدین باجن کی تصنیف خزینۂ رحمت اللہ میں دکھائی دیتا ہے؛ اس کتاب کے باب ہفتم میں شیخ باجن نے ضمناً بابا فرید کے کُچھ اقوال اور چند اشعار نقل کیے ہیں۔ ان میں یہ قطعہ بھی شامل ہے:

راول دیول ہمے نہ جائیے
چھاٹا پہنہ روکھا کھائیے
ہم درویشنہہ ایہے ریت
پانی لوڑیں اور مسیت (۳)

اس قطعے کے حوالے سے محمد انصار اللہ لکھتے ہیں:

''شیخ باجن کا حضرت گنج شکر کے اس قطعہ کو نقل کرنا اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت گنج شکر کا ہندوی کلام دور دراز علاقوں تک رائج ہو گیا تھا۔'' (۴)

شیخ باجن کے ذریعے سے ہی بابا فرید کا یہ دوہا بھی ہم تک پہنچا ہے؛

سائیں سیوت گل گئے، ماس نہ رہیا دیہہ
تب لگ سائیں سیوساں جب لگ ہوسوں
کیہہ (۵)

حضرت شاہ عالم کے ملفوظات کے مجموعے ''جمعاتِ شاہی'' میں بابا فرید کا یہ شعر نقل ہوا ہے:

اسا کیری یہی سو ریت
جاؤں نائے کہ جاؤں مسیت (۶)

مولوی عبدالحق نے اپنی گراں قدر تصنیف ''اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام'' میں بابا فرید شکر گنج ؒ کے اقوال اور کلام کے جو نمونے شامل کیے ہیں اُن میں ایک ریختہ شامل ہے جو کتب خانہ الاصلاح دیسنہ کی کسی پُرانی بیاض سے انھیں محمد شمیم دسنوی کے توسط سے ملا، یہی ریختہ حافظ محمود شیرانی نے اپنی کتاب ''پنجاب میں اُردو'' میں بھی شامل کیا ہے؛ ریختہ یہ ہے:

وقتِ سحر وقتِ مناجات ہے
خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا
خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
باتن تنہا چہ روی زیرِ زمیں
نیک عمل کن کہ رہی سات ہے
پندِ شکر گنج بدل جان شنو
ضائع مکن عمر کہ ہیہات ہے(۷)

یہ ریختہ فارسی غزل کے گہرے اثرات لیے ہوئے ہے؛ ہیئتی اور تکنیکی حوالے سے اس میں اور فارسی غزل میں کوئی غیریت نہیں۔ یہ ریختہ بحرِ سریع [مفتعلن مفتعلن فاعلن] میں لکھا گیا ہے۔ اس ریختے کو اگر بابا فرید کی تخلیق مانا جائے تو بعض محققین کا یہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کہ اُردو کی ابتدائی شاعری فارسی اثرات اور اوزان و بحور سے عاری ہے۔

مولوی عبدالحق نے اپنی تالیف میں بابا فرید کے جھولنے کے بھی دو شعر نقل کیے ہیں اور پانچ دوسرے اشعار بھی جو مثنوی کی ہیئت میں

لکھے گئے ہیں: جھولنا شیخ فرید ان کے بقول چار صفحات کا رسالہ ہے۔ جھولنا کا ایک شعر دیکھیے:

جلی یاد کی کرنا ہر گھڑی، یک تل حضور سوں ٹلنا نہیں

اٹھ بیٹھ میں یادسوں شادرہنا، گواہ دار کو چھوڑ کے چلنا نہیں (۸)

مولا بخش کشتہ نے اپنے تذکرے میں ''سالنامہ ماسک پتر یادگار لاہور، ۱۹۵۸ء'' کے حوالے سے ان کی ایک نظم نقل کی ہے جو بعد میں خاطر غزنوی اور دوسرے تذکرہ نگاروں کے ہاں بھی نقل ہوئی؛ اس نظم کے دو شعر دیکھیے:

دھن رے دھنیے اپنی دھن

پرائی دھنی کا پاپ نہ پُن

روئی کو چُن کے سوت بنا لے

پاگ پیارے پی کی بُن (۹)

بابا فرید سے منسوب ہندوی دوہے، سورٹھے، ریختے اور دیگر اقوال واشعار کے علاوہ ''گرنتھ صاحب'' میں شامل اُن کے پنجابی کلام کا ایک بڑا حصّہ قدیم ہندوی (اُردو) سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ یہ شلوک اپنے موضوع، لفظیات اور تکنیک کے اعتبار سے اُردوئے قدیم کے نمونوں کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں؛ پنجابی اور اُردو کا ادبی سفر چوں کہ ایک ہی زمانے اور ایک ہی ماحول میں ہوا، اس لیے قدیم پنجابی شاعری قدیم اُردو کا رنگ لیے ہوئے ہے اور قدیم اُردو پر قدیم پنجابی کا گمان گزرتا ہے۔ مولا بخش کشتہ کی یہ بات صداقت سے خالی نہیں:

''آپ دے شلوکاں تے عربی، فارسی، ملتانی

تے ہندوی بولی دا اِکو جیہا اثر پیا جاپدا

اے۔آپ نے شلوکاں وچ عربی، فارسی، ملتانی
تے ہندی دے لفظ اجیہے سوہنے ورتے ہن کہ
پڑھن والے نوں اوپرے نہیں لگدے۔"(۱۰)

گرنتھ صاحب میں شامل چند شلوک دیکھیے:

فریدا جے تُوں عقل لطیف، کالے لکھ نہ لیکھ
آپنڑے گریوان میں ، سرنیواں کر دیکھ
(آکھیا بابا فرید نے؛ص ۱۴۹)

☆

فریدا روٹی میری کاٹھ کی لاون میری بھکھ
جیہناں کھادِی چوپڑی، گھنے سہن گے دُکھ
(آکھیا بابا فرید نے؛ص ۱۷۱)

☆

جوبن جاندے نہ ڈراں ، جے شوہ پریت نہ جاۓ
فریدا کتی جوبن پریت بِن سُک گئے کملاۓ
(آکھیا بابا فرید نے؛ص ۱۷۷)

☆

برہا برہا آکھیے ، برہا تُوں سلطان
فریدا جت تن برہوں نہ اُپجے سو تن جان مسان
(آکھیا بابا فرید نے؛ص ۱۷۹)

☆

لمّی لمّی ندی وہے ، کندھی کیرے ہیت
بیڑے نوں کپّر کیا کرے جے پاتن رہے سچیت
(آکھیا بابا فرید نے؛ص ۲۳۱)

☆

بابا فرید کے دستیاب اُردو کلام کی صورت بلاشبہ گردشِ زمانہ کے باعث کافی حدتک بدل گئی ہے مگران کے دامن میں جوخوشبورقص کناں ہے، وہ اسی مردِ فیض رساں سے اپنی نسبت کا پتا دیتی ہے جسے دُنیا ''حق فرید'' کے نام سے جانتی اور مانتی ہے۔اُردو زبان کے لیے یہ بات افتخار کا باعث ہے کہ اس کے بنیاد گزاروں میں پنجاب کا یہ دانش ورصوفی بھی شامل ہے۔

☆☆☆

حوالہ جات

(۱)انڈو آرین اینڈ ہندی؛ص ۹۰ بہ حوالہ تاریخِ ادبِ اُردو(ج اوّل)؛ ڈاکٹرجمیل جالبی؛لاہور؛مجلسِ ترقیِ ادب؛اوّل،۱۹۷۵ء؛ص ۱۰۔

(۲)ادب ولسانیات؛کراچی؛ اُردو اکیڈمی سندھ؛ اوّل ،جنوری،۱۹۷۰ء؛ص ۲۰۴۔

(۳) بہ حوالہ: جمیل جالبی، ڈاکٹر؛تاریخِ ادبِ اُردو(ج اوّل)؛ لاہور؛ مجلسِ ترقیِ ادب؛اوّل،۱۹۷۵ء؛ص ۳۷۔

(۴) محمد انصار اللہ : تاریخِ ارتقائے زبان وادب(ج اوّل)؛ لاہور؛ مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی؛مارچ ۲۰۰۶ء؛ص ۱۱۷،۱۱۸۔

(۵) تاریخِ ادبِ اُردو (ج اوّل)؛ ص ۳۷۔

(٦) بہ حوالہ: اُردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام؛ مولوی عبدالحق؛ دہلی؛ انجمن ترقیِ اُردو ہند؛ دوم، ۱۹۳۹ء؛ ص ۷۔

(۷) ایضاً: ص ۷، ۸۔

(۸) ایضاً: ص ۸۔

(۹) میاں مولا بخش کشتہ؛ پنجابی شاعراں دا تذکرہ؛ لاہور؛ عزیز پبلشرز؛ دوم، ۱۹۸۸ء؛ ص ۳۷۔

(۱۰) ایضاً: ص ۳۸۔

☆☆☆

ہمارے پیارے بھائی صاحبزادہ فخر احمد میرویؒ کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے ایک سال ہونے کو ہے۔ ۲۹ محرم الحرام تا ۲ صفر المظفر ۱۴۳۷ھ / نومبر ۲۰۱۵ء آپؒ کا پہلا سالانہ عرس مبارک میرا شریف میں منعقد ہوگا۔ ''قندیلِ سلیماں'' کی اگلی اشاعت میں خصوصی طور پر ''صاحبزادہ فخر احمد میرویؒ'' کے احوال و آثار، ملفوظات، مکاتیب، اشاعتِ اسلام کے لیے آپ کی تبلیغی کاوشوں پر مشتمل مضامین شامل کیے جائیں گے۔ اہلِ قلم اس سلسلہ میں اپنی تحریریں ماہِ اکتوبر کی ۳۱ تاریخ تک ارسال فرمادیں۔

حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ

محمد عمر قذافی☆

جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو اس نے کائنات تخلیق فرمائی اور اس میں انواع واقسام کی مخلوقات پیدا فرمائیں۔ ان مخلوقات میں انسان کو اشرف المخلوقات ارشاد فرما کر خلافت بخشی۔ اس کی رہنمائی کے لیے حضرت آدمؑ سے خاتم النبین حضرت محمد ﷺ تک کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسل مبعوث فرمائے تاکہ وہ ربِ کائنات کا انسانِ مطلوب بن سکے۔ سید الانبیاء ﷺ کے بعد اس بارِ عظیم کی ذمہ داری رسول عربی ﷺ کے نائبین کے حصے میں آئی۔ جنھوں نے علم وعمل سے بھٹکتی ہوئی انسانیت کو نورِ حق سے متعارف کیا۔ انھیں فرزندانِ اسلام میں ایک نام سلطان العارفین حضرت سلطان باھو رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔

آپؒ عہدِ شاہجہان میں شورکوٹ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش کا سن مولا بخش کشتہ نے "پنجابی شاعراں دا تذکرہ" میں 1039ھ بہ مطابق 1629ء درج کیا ہے۔ آپؒ کا نام آپ کی والدہ ماجدہ راستی بی بیؒ نے "باھو" رکھا۔ جس کے معنی ''ہر وقت خدا کو یاد کرنے والا'' کے ہیں۔ سلطان باھوؒ کی والدہ محترمہ نہایت نیک، پرہیزگار اور تصوف میں اعلیٰ مقام رکھتی تھیں۔ آپ کے مقام ومرتبہ کا یہ عالم تھا کہ جس دن سلطان باھوؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اس دن بھی آپ نے نمازِ تہجد ادا فرمائی۔ آپؒ کے والدِ ماجد حضرت بازیدؒ عالم دین، حافظِ قرآن اور بہت بہادر انسان تھے۔ علاوہ ازیں آپؒ منصب داری کے عہدے پر بھی فائز تھے۔ حاکمِ ملتان اور راجہ امروٹ کی لڑائی میں آپ نے بھرے دربار میں راجہ امروٹ کا سر قلم کر دیا۔ شاہ جہان نے اس کارنامے پر آپ کی خدمت میں شورکوٹ کا ایک پورا گاؤں قہرگان اور پچاس بیگھہ زمین پیش کی۔

☆ پی ایچ۔ ڈی اسکالر، اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

سلطان آپؒ کے نام کا حصہ نہ تھا بلکہ آپ کے اخلاقِ عالیہ کی بدولت مشہور ہو گیا۔ آپؒ اپنا نام ''باہو اعوان'' لکھتے تھے۔ دراصل آپؒ کے بزرگ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ایران سے ہوتے ہوئے خراسان آئے۔ان میں سے شاہ حسین نے ہرات پر حکومت کی۔ شاہ حسین کے بیٹے امان شاہ نے ساداتِ بنی فاطمہ علیہ السلام کی بہت مدد کی اور ''اعوان'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔اعوان کا مطلب "سادات کے مددگار" ہے۔اعوان سون سکیسر میں آباد ہوئے۔سلطان باہوؒ کے بزرگ انھیں اعوانوں میں سے تھے۔ یہ لوگ اپنی بہادری اور مہمان نوازی کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔

سلطان العارفینؒ کو سیدنا علی المرتضٰی علیہ السلام کی اولاد ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ آپؒ کا شجرۂ نسب اکتیسویں پشت میں حضرت علی المرتضٰی سے جا ملتا ہے جو یوں ہے۔سلطان باہوؒ بن بازیدؒ بن شیخ فتح محمدؒ بن شیخ اللہ دتہؒ بن شیخ محمد تہیمؒ بن محمد منانؒ بن محمد موعلاؒ بن محمد جمیونؒ بن محمد ہرگنؒ بن انور شاہؒ بن امیر شاہؒ بن قطب شاہؒ بن امان شاہؒ بن سلطان حسین شاہؒ بن فیروز شاہؒ بن محمود شاہؒ بن فرطک شاہؒ بن نواب شاہؒ بن دراب شاہؒ بن ادھم شاہؒ بن حضرت امیر زبیرؒ بن امیر المومنین سیدنا علی المرتضٰی علیہ السلام۔

سلطان العارفینؒ کی باطنی بیعت حضور نبی کریم ﷺ سے منسوب ہے۔سرکارِ دو عالم ﷺ نے آپؒ کو سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے سپرد فرمایا تھا۔ظاہری طور پر بھی جب آپؒ بیعت کی غرض سے حضرت حبیب شاہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔تو انھوں نے آپ کی راہنمائی فرمائی اور آپ کو سید السادات حضرت پیر عبدالرحمٰن قادری دہلویؒ کی بیعت کی تلقین فرمائی۔ سلطان باہوؒ نے اپنے مرشدِ کامل سے باطنی فیوضات و برکات کے خزانے سمیٹے اور وطن واپس تشریف لے آئے۔آپؒ کے نزدیک مرشدِ کامل وہ ہے جو سنتِ نبوی ﷺ کو زندہ کرے، شرک سے بچائے، بدعت کو دور کرے، شریعت کا پابند ہو، کیونکہ اِن لوازمات کے بغیر حق کی طلب بے معنٰی ہے۔آپؒ کے فرمانِ عالیشان کے مطابق جو مرشد مرید کو دنیا میں دلی سکون اور آخرت میں

جنت کا حقدار نہ بنا سکے وہ مرشدِ کامل کہلانے کا حقدار نہیں۔آپؒ نے دوسری طرف مریدِ صادق کو بھی ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔

سلطان العارفینؒ کو اپنے مرشدِ پاک کے علاوہ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر چلہ کشی کرنے اور فیوض و برکات حاصل کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔

آپؒ نے چار شادیاں کیں۔آپؒ کے آٹھ بیٹوں کا ذکر ''مناقبِ سلطانی'' میں ملتا ہے۔آپؒ نے درویشانہ اور فقیرانہ زندگی کو پسند فرمایا۔آپ کی تقریباً ایک سو چالیس تصانیف تصوف سے متعلق ہیں۔آپؒ کے نزدیک فقر تصوف کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔سلطان الفقراء کا منصب بھی آپؒ سے منسوب ہے آپ نے ''رسالہ روحی'' میں سات سلطان الفقراء کا ذکر فرمایا ہے جن کے ظہور سے قبل قیامت نہ آئے گی۔آپؒ کی تمام تصانیف فارسی میں ہیں صرف ''ابیاتِ باہوؒ'' پنجابی میں ہے۔

سلطان العارفینؒ کے اشعار سوز و گداز اور سچائی کی وجہ سے دل میں اتر جاتے ہیں اور انسان کے باطن کی تعمیر کرتے ہیں۔جن مقامات کی نشاندہی آپؒ کے اشعار سے ہوتی ہے۔چونکہ آپؒ ان تمام مقامات سے آشنا تھے اس لیے قاری کے لیے تمام منازل نہایت جامعیت کیساتھ بیان کرتے نظر آتے ہیں۔عشق ،تصوف اور فقر جیسے مشکل موضوعات پر آپ کی مضبوط گرفت آپ کے لقب سلطان العارفین اور سلطان الفقراء پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں۔

وحدت دے دریا الٰہی　　عاشق لیندے تاری ہو
مارن ٹبھیاں، کڈن موتی　　آپو آپنی واری ہو

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

جو دم غافل، سو دم کافر — مرشد ایہہ پڑھایا ہو
سنیا سخن گیاں ، کُھل اکھیں — چت مولا ول لایا ہو
کیتی جان حوالے رب دے — ایسا عشق کمایا ہو
مرن تھیں اَگے، مر گئے باہو — تاں مطلب نوں پایا ہو

اسی طرح آپ کی تمام شاعری عشق، تصوف اور فقر کے مفہوم واضح کرتی ہے اور طالبِ صادق کی رہنمائی ہر موڑ پر کرتی نظر آتی ہے۔ جس طرح بغیر مکتب کے تعلیم کے آپؒ نے تصوف کے مشکل موضوعات پر مفصل کتابیں تحریر فرمائی ہیں ۔ یہ آپ کی بہت بڑی کرامت ہے اگر کوئی اہل دِل سمجھنا چاہے تو۔ آپؒ شیر خواری کے زمانے میں رمضان المبارک میں سحری سے لیکر شام تک دودھ نہ پیتے تھے یعنی اپنے والدین کی طرح روزہ رکھتے تھے۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ بچپن میں آپ کے معصوم اور نورانی چہرے پر جس غیر مسلم کی نظر پڑتی وہ اسلام کی طرف کھنچا چلا آتا۔ سلطان العارفینؒ کے دور میں بہت سے اولیائے کرام نے اپنے وجودِ مسعود سے اس خطہ زمین کو رونق بخشی جن میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، حضرت میاں میرؒ، شیخ محمد اسماعیل سہروردیؒ، حضرت خواجہ معصومؒ اور حضرت شاہ دولہ ولیؒ زیادہ اہم ہیں۔

سلطان باہوؒ 63 سال تک بھٹکتی ہوئی انسانیت کو حق سے آشنا کرتے رہے۔ 1102ھ بہ مطابق 1692ء یکم جمادی الثانی بروز جمعتہ المبارک رات تین بجے آسمان ولایت کا یہ ماہتاب خالقِ ارض وسما کی رضا سے فانی دنیا سے ابدی سفر پر روانہ ہوا، مگر آپ کے فیضان کا سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

آپؒ کو شورکورٹ کے ایک گاؤں قہرگان میں سپرد خاک کیا گیا۔ یہاں تقریباً 70 سال آپؒ نے قیام فرمایا۔ یہاں سے آپؒ نے پیپل والے کنویں پر ایک حویلی کو اپنے جسم پاک سے زینت بخشی۔ جب آپ کا جسم مبارک دریا کے قریب آنے کی وجہ سے منتقل کیا گیا تو

ہزاروں لوگوں نے زیارت کی سعادت حاصل کی۔ آپؒ کا چہرہ مبارک یوں روشن تھا جیسے ابھی ابھی غسل فرمایا ہو۔ اس وقت ایسی خوشبو پھیلی جس نے کئی میل تک فضا کو معطر کر دیا۔ سلطان العارفینؒ اس حویلی میں 157 سال سے زیادہ آرام فرما رہے اور ہدایت کا نور تقسیم فرماتے رہے 1336ھ ماہِ محرم الحرام بروز جمعتہ المبارک میں تیسری دفعہ آپؒ کا جسدِ پاک موجودہ جگہ پر منتقل کیا گیا۔ سلطان باہوؒ کا سالانہ عرس مبارک جمادی الثانی کی پہلی جمعرات کو تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ آپؒ کو اہلِ بیتِ اطہار سے خصوصی محبت تھی اور آپؒ نے اپنی زندگی میں بھی 7 محرم سے 10 محرم تک سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی یاد میں ہر سال اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ آج زائرین اس اہتمام کو بڑے عرس کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور رحیم و کریم نبی ﷺ کے پیاروں کی نظرِ کرم ہی ہے جس کی بدولت حضرت سلطان باہوؒ کا مزارِ پُر انوار صدیاں گزرنے اور مادیت کا دور ہونے کے باوجود مخلوقِ خدا سے سجا رہتا ہے۔ ہدایت کا یہ مرکز نہ صرف زائرین کی تسکینِ قلب کرتا ہے بلکہ طالبانِ حق کو وہ راہ دکھاتا ہے جس پر عمل پیرا رہنے کا تمام ارواح نے وعدہ کیا تھا۔ یہ شمعِ ہدایت، رحمتِ خداوندی اور کرمِ مصطفیٰ ﷺ سے قیامت تک روشن رہے گی۔ انشاءاللہ۔

”کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا۔۔میں اُسے دیکھوں
بھلا کب دیکھا جائے ہے مجھ سے“

مستنصر حسین تارڑ

ہم نے تقریباً نصف مسافت طے کر لی تھی۔
اور اب منبر رسول کے علاقے میں سے گزر رہے تھے۔
چنانچہ منزل قریب ہو رہی تھی۔۔
اور ہم منزل نہ کر قبول والوں میں سے نہیں تھے۔

لاہور سے روانگی کے وقت میمونہ کے بھائی آفتاب نے اپنی سفید ریش سہلاتے ہوئے جو اگلے دو چار برسوں تک ان کے گھٹنوں کو چھونے والی تھی سہلاتے اُسے سنوارتے۔۔ہم پر رشک کرتے کہا تھا کہ بھائی جان آپ جتنی دیر مکہ میں قیام کریں تو دوسرا کلمہ لگا تار پڑھتے رہیں اور جتنا عرصہ مدینہ میں نصیب ہو تو وہاں ہر سانس کے ساتھ درود شریف کا ورد کرتے رہیں اور ہم کر رہے تھے۔۔

درود شریف کے سوا بھی تو بہت کچھ من میں آتا ہے۔۔اس من میں جو پرانا پاپی ہے۔۔شب بھر میں مسجد تو بنا سکتا ہے لیکن نمازی نہیں بن سکتا۔۔تو اُس من میں بہت کچھ آتا تھا۔۔
میں نے اس من کو ڈھیل بھی بہت کچھ دے رکھی تھی۔۔
کہ جو جی میں آئے کر۔۔
اور اس کے جی میں پنجابی کی صوفی شاعری آتی چلی جاتی تھی۔۔
عجیب پہلے کبھی گمان میں نہ آنے والے معنی ظاہر ہوتے چلے جاتے تھے۔۔
اور میں درود شریف کے علاوہ حضورﷺ کو مخاطب کر کے جو شعر بھی یاد آتا تھا انہیں سناتا چلا جاتا

تھا۔۔

مولانا حالی آ گئے اپنی گردن کے گرد مفلر لپیٹے۔۔

''وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا''

اگر چہ اس سے پرے بھی مجھے۔۔۔مرادیں غریبوں کی بر لانے والا۔۔۔اپنے پرائے کا غم کھانے والا یاد تو آتا تھا لیکن میں اس مصرعے پر اٹک گیا۔۔کہ وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا۔۔

میں اس نبی ﷺ کو سلام کرنے جاتا تھا۔۔۔سرکتا جاتا تھا۔۔۔جاتا تھا۔۔

پھر مجھے معلوم نہیں کہ ثریا کہاں سے آ گئیں۔۔۔ایک اداکارہ ایک گلوکارہ انھیں تو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا لیکن وہ آ گئیں۔۔۔چونکہ میں گانٹھ کا پکا، ہوشیار اور کھرا عقیدت مند تو نہیں تھا کہ عوام الناس کو رُلانے کے لیے صرف وہ بیان کرتا جو وہ سننا چاہتے تھے۔۔ثریا کو سنسر کر دیتا۔۔

ثریا آئیں اور انھیں اونچے دانتوں اور پنجابی پکار میں صدائیں دینے لگیں۔۔

''بیچ بھنور میں آن پھنسا ہے دل کا سفینہ۔۔۔شاہِ مدینہ''

مجھے نہیں معلوم کہ ثریا کبھی شاہ مدینہ کے دربار میں حاضر ہوئیں یا نہیں۔۔۔لیکن ان کی یہ نعت حاضری کے مترادف ہے۔۔

میں گواہی دے سکتا تھا کہ دل کا سفینہ بھنور میں آن پھنستا ہے اور فریاد صرف شاہ مدینہ سے کی جاسکتی ہے۔۔پھر حفیظؔ میرے لبوں پر آ گیا۔۔۔نہ تو کبھی اس جالندھری کی شاعری کو پسند کیا اور نہ اس کی شخصیت کو۔۔لیکن اس نے روضۂ رسول ﷺ کو میری ناپسندیدگی کو روند کر میری ترجمانی کی۔۔سلام اے آمنہ کے لال محبوبِ سبحانی۔۔

حفیظ زیادہ دیر نہیں ٹھہرا اور اُس کی جگہ ایک ایسے شخص کا شعر لبوں پر ناگہاں آیا جو شاعر نہ تھا۔۔تُک بند مسخرہ، ایک مخولیہ تھا اور اس کے باوجود اُس کے نصیب میں ایک ایسا شعر آ گیا جس نے اسے باشعور عالم فاضل شعرا سے ممتاز کر دیا۔۔۔یہاں تک کے اقبال سے بھی بڑا ہو گیا۔۔

نبی کا جس جگہ پہ آستاں ہے
زمیں کا اتنا ٹکڑا آسماں ہے

نبی کے آستاں کی جانب چلتے سرکتے اور جھجکتے استاد امام دین گجراتی کا یہ شعر کیا اور کیسے کہا جائے کہ کیسے اثر کر رہا تھا۔۔۔جس جگہ پہ۔۔وہ جگہ قریب آرہی تھی۔۔جس جگہ پہ آستاں ہے۔۔زمین کا جتنا ٹکڑا آسماں ہو گیا تھا میں اُس کے قریب ہو رہا تھا۔سلجوق کے کندھے پر ہاتھ رکھے اپنا پرانا پاپی من جانے کیا کیا الاپ رہا تھا۔۔۔قابو میں نہ تھا۔کوئی تمیز نہ تھی اسے کہ یہ کون سا مقام ہے اور یہاں کے آداب کیا کیا ہیں۔۔کیا کہنا ہے اور کیا کہنے سے اجتناب کرنا ہے۔۔اُس من کے من میں جو آرہا تھا کہے جا رہا تھا۔۔۔اور حضور ﷺ سے مخاطب ہو کر کہے جا رہا تھا۔۔۔

میرے لب ایسے ہل رہے تھے جیسے عرضیاں ٹائپ کر رہے ہیں۔۔۔ڈیئر سر میں نے گھر کا کام نہیں کیا۔کاپی کوری ہے، شفاعت کی التجا ہے۔۔۔حشر دہاڑے بے حساب لوگوں میں سے مجھے ضرور پہچان لیجیے گا۔میرا ہاتھ پکڑ کر سفارش کر دیجیے گا۔کوری کاپی پر کہیں صفر نہ لگ جائے، کچھ نمبر دلوا دیجیے گا۔۔۔بیشک تھرڈ ڈویژن میں سہی لیکن پاس کروا دیجیے گا۔۔۔میں ایسی دعائیں بھی مانگتا جو ضابطۂ تحریر میں لانے سے گریز کر رہا ہوں کہ آپس کا معاملہ تھا،جس میں کسی اور کو شریک نہیں کیا جا سکتا کہ شرک بھی تو گناہ ہے۔۔
ہم تھے تو زمین پر لیکن آسمان کے ایک ٹکرے کے قریب ہو رہے تھے۔۔۔نبی ﷺ کا جس جگہ پہ آستان ہے۔۔۔جس جگہ۔۔۔۔آیا ہے بلاوا مجھے۔۔۔

مجھے بچپن سے ایک بلاوا آ گیا۔۔۔

یادداشت میں کچھ باقی نہ بچا تھا سوائے ایک کھنکتی ہوئی پُرسوز آواز کے۔۔متروک آواز کے ہمراہ اتنے ہی پرسوز رکتے رکتے متروک ہو چکے سازوں کی سنگت۔۔۔پیغام صبا لائی ہے گلزارِ نبی ﷺ سے۔۔۔آیا ہے بلاوہ مجھے دربارِ نبی ﷺ سے۔۔۔دربارِ نبی ﷺ سے۔۔۔نہ

لفظوں میں کوئی شان وشوکت اور نہ اظہار میں کچھ شدت ۔۔جیسے کوئی اپنی مسرت پوشیدہ کرنے کی خاطر خود سے باتیں کرتا ہو۔۔سرگوشیاں خود سے ہو رہی ہوں کہ کوئی اور نہ سن لے۔۔۔۔پیغام آ گیا ہے۔۔۔بلاوا آیا ہے۔۔۔تو بس چپکے سے رختِ سفر باندھ لو۔۔۔جلدی کرو۔۔۔اور اس باتیں کرتی دھیمی نعت کی یاد سے جو پر بہار اثر ہوا ایسا ہوا کہ بدن گلزار ہوا۔۔۔گلزارِ نبی کی قربت سے کیسا گلزار ہوا کہ سورنگ کے گل بوٹے میرے اندر گھنے اور مہک آور ہوئے۔ایسے ہوئے کہ میرے پاؤں مزید اٹکنے لگے۔۔۔۔الجھنے لگے۔۔۔جیسے جوشِ گل بہار میں اڑتے ہوئے مرغِ چمن کے پاؤں اُلجھتے ہیں۔۔۔پیغام صبا لائی ہے گلزارِ نبی سے۔۔۔آیا ہے بلاوا۔۔۔۔

لیکن یہ جو ملتے لبوں سے عرضیاں ٹائپ ہوتی چلی جا رہی تھیں۔۔۔۔ڈیئر سر کی درخواستوں کے ڈھیر لگ رہے تھے ایسے کہ راستے میں حائل ہو رہے تھے۔۔۔التجائیں او سفارشیں ناکافی تھیں۔۔۔اس کی مدح میں لکھے گئے حرف جو مجھ پر برابر اثر کرتے جا رہے تھے یہ ایسے نہ تھے کہ مجھے پار لے جاتے۔۔۔۔

ان سے ڈھارس نہ بندھتی تھی۔۔۔۔دل میں خوف کم تو ہوا تھا پر سراسر زائل نہ ہوا تھا۔۔۔یہ عرضیاں اور شعروں کی یہ کشتیاں ایسی نہ تھیں کہ ان کے سہارے پار اترا جا سکتا۔۔۔دریا پار رانجھن کے ڈیرے تک جایا جا سکتا۔۔۔

اور آس پاس اس آس میں نظر کرتا تھا کہ کوئی ہے جو میرے ساتھ چلے۔۔۔اپنے ساتھ مجھے بھی اس کے ڈیرے تک لے جائے۔۔۔کوئی نہ تھا۔۔۔کیسے ہو سکتا تھا کہ ہر کوئی سہارے کی تلاش میں تھا کسی اور کو سہارا کیا دے۔

اور کاغذ کی یہ درخواستیں اور شعروں کی کشتیاں تو ڈوب ڈوب جاتی تھیں ان میں سے کسی میں بھی مجھے پار تک لے جانے کا نہ حوصلہ تھا اور نہ صلاحیت۔۔۔

بھیڑ گھنی ہونے لگی۔۔۔لب جو ہلتے تھے بسمل ہونے لگے پھڑکنے لگے اور میں محسوس کر سکتا تھا کہ پاؤں تلے جو قالین بچھا تھا اس کے گل بوٹے نمی سے نمایاں ہو رہے ہیں۔۔۔وہ

رخساروں سے گرنے والے آنسوؤں کو کہاں تک جذب کرسکتا تھا۔۔۔نبی کا جس جگہ پر آستاں تھا
یہ اس کی قربت کے نم کرشمے تھے جو پاؤں تلے بچھے جاتے تھے۔۔۔
پھر جیسے غیب سے مدد آ گئی۔۔۔
ایک کشتی صرف میری خاطر ساحلِ تمنا کے ساتھ آ لگی۔۔۔
عثمانی گنبدوں کی نیلاہٹ میں ایک لمبی رنگین دُم والا عشپ پرندہ تیرا اور ایک ایسے مصرعے کی صورت میں مجھ پر وارد ہوا کہ مجھے پار لے گیا۔۔۔
میری بے بسی اور بے دھیانی میں اُترا اور نہ صرف گلزارِ نبی میں بلکہ بدن کے گلشن میں بھی چہکنے لگا۔۔۔

کتھے مہر علی، کتھے تیری ثنا۔۔۔

بس یہی تو عرض کرنا چاہ رہا تھا اور عرض کے لیے ہر حرف ناکافی ہو رہا تھا۔تو بس میں تو فارغ ہو گیا۔۔۔اطمینان سے سکون میں ہو گیا کہ جو عاجز تھا اس نے عجز کا ایسا اظہار کیا کہ ایک لمحے کے لیے پُر تکبر ہو گیا کہ بابا جی ہم نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔۔۔یہی ہماری اوقات ہے جو مہر علی نے بیان کر دی ہے اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔۔۔کہاں میں اور کہاں تیری ثنا۔۔۔کیا یہ کافی نہیں ہے حضور۔۔۔کہ کتھے میں مستنصر تے کتھے تیری ثنا۔۔۔
بس اس ایک مصرعے کا ورود اُس لمبی دُم والے رنگین پرندے کی چہکار مجھے پار لے گئی۔۔۔
میں اس مصرعے سے آگے۔۔۔گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں۔۔۔تک بھی نہیں گیا۔۔۔اس مرغِ گلزارِ نبی کے پاؤں تو پہلے مصرعے میں ہی الجھ گئے۔۔۔ایسے کہ کسی اور بیان کے گلزار میں جانے جوگا ہی نہ رہا۔۔۔حاجت ہی نہ رہی۔۔۔اس میں پاؤں الجھائے چلتا رہا۔۔۔
کتھے مہر علی۔۔
یہ ’’کتھے۔۔۔‘‘ اشارہ کر رہا ہے تھا اُس کہاں کی جانب جو تحت السرا میں کہیں تھا۔۔۔جہاں روگردانیاں تھیں۔۔۔۔اعمال کی سیاہیاں تھیں ایک اتھاہ گہرائی تھی اور کوری کا پیاں تھیں۔۔۔اور

میں وہاں تھا۔۔۔کتھے تیری ثنا۔۔۔اور یہ دوسرا ''کتھے''۔۔یہ دوسرا ''کہاں'' بلند ہوتا عرش سے بھی پار ہوا جاتا تھا۔۔۔ایک ''کہاں'' مستنصر کو ایک کھائی کی اتھاہ گہرائی میں مقیم کرتا ہے۔۔۔اور دوسرا ''کہاں'' اس گہرائی سے زمین پر آتا ہے اور وہاں سے عرشِ منور تک جا کر اس کے دروازوں پر دستک دیئے بغیر کہ وہ بھی اس ''کہاں'' کی آمد کے منتظر ہیں پار چلا جاتا ہے۔۔۔پار۔۔۔جہاں فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں جہاں تک جانے کے لیے ایک ایسی سفید سواری مہیا ہے جو بقولِ نبی کے جہاں تک آخری نظر جاتی ہے اس کا ایک قدم وہاں تک جاتا ہے۔۔۔اور اس کے باوجود واپسی پر کُنڈی ابھی تک لرزش میں ہے۔۔۔تو یہ دوسرا ''کہاں'' وہاں تک جا رہا ہے۔۔۔تو اس سے بڑھ کر لاچارگی اور کم مائیگی کا اقرار اور کیا ہوسکتا ہے۔۔۔۔ چنانچہ اقرار کے اس اظہار نے مجھے بے خوف اور آزاد کر دیا۔۔۔شدید ڈر اور اضطراب کو پل بھر میں رخصت کر دیا۔۔۔

اس ایک مصرعے نے میری کوری کاپی کے ہر صفحے کو بھر دیا۔۔۔گھر کا کام جو میں نے نہیں کیا تھا وہ اس نے کر دیا اب بے شک چیکنگ ہو جائے میں فیل ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔۔۔اور پہلی بار۔۔۔۔جو آنکھیں صحرا کی خشک لکڑی کی مانند چٹختی تھیں۔۔۔اُن میں کبھی نمی کا ایک ذرّہ نمودار ہوتا بھی تھا تو سوکھ جاتا تھا ان آنکھوں نے پلکیں جھپکائے بغیر جھڑیاں لگا دیں۔۔۔

اج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں۔۔۔۔

نہ آہ وزاری کی۔۔۔نہ اپنے گناہوں پر شرمندگی کے باعث ایسا ہوا۔۔۔آنکھوں نے خود ہی فیصلہ کیا کہ اس بے مقصد حیات میں صاف شفاف بہت سے منظر دیکھ لیے اب نمی سے جھلملاتا یہ منظر بھی دیکھ لو۔۔۔ایک آبشار کے پار۔۔۔ایک جھرنے کے پار بھی دیکھ لو۔۔۔ندی کے پانی اور آنکھوں کے پانی میں صرف جذبات کا فرق ہوتا ہے تو ذرا دیکھ لو کہ جذبات سے کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔میں نے ان آنسوؤں کے لیے کچھ تگ و دو نہ کی تھی۔۔۔نہ پشیمانی کی کچوکے دے کر

انھیں گرنے پر مجبور کیا تھا اور نہ نبی کی محبت کی آڑ لے کر انھیں بہایا تھا۔۔اور نہ عقیدت کی آہ و فغاں سے انھیں سوتے ہوئے جگایا تھا۔۔

مجھ سے مشورہ کیے بغیر یہ آنکھوں کا اپنا فیصلہ تھا۔۔۔

ان جھرنوں کے گرنے سے شاید اس گلزارِ بنی میں بچھے قالین کا کوئی ایک بوٹا ہرا ہو گیا ہو گا۔۔کسی ایک گل کا رنگ ذرا شوخ ہو گیا ہو گا۔۔۔قربت مزید ہوئی تو ایک تغیر رونما ہوا۔۔

تبدیلی ایک عجب ہوئی۔۔

ایک ساعت میں۔۔۔جو مجھ ایسے حاضری کے تمنائی اور آس میں لوگ تھے اور ان میں ظاہر ہے میں بھی تھا۔۔وہ وہی تھے جو وہ تھے اگرچہ ہم شکل اور ہم شباہت ہو چکے تھے لیکن وہی تھے ۔۔۔اور ایک ساعت اس مسافت میں ایسی آئی وہ مختصر ہو گئے۔۔۔

سمٹ گئے۔۔۔

اُن کے قد مختصر ہو گئے۔۔۔

چھوٹے ہو گئے۔۔۔

میرا قد بھی گھٹ گیا۔۔۔

سب کے قد و قامت تحلیل ہو رہے ہیں۔۔۔گھٹتے جاتے ہیں۔۔۔صرف ان کے بسمل لب پھڑکتے جنبش کرتے اور جھکے ہوئے سر باقی ہیں۔۔

یہ کون سا ایسا مقام آ گیا ہے۔۔۔

جو پل بھر میں قد و قامت اور تفاخر گھٹا دیتا ہے۔۔۔

بی بی فاطمہ کے گھر کی دیوار آ گئی تھی۔۔۔اور ان کے برابر میں رسول کے حجرے کے آثار آ گئے تھے۔۔۔

جب مجھے ایسا لگتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ نہ صرف میں بلکہ آس پاس کے لوگوں کا قد بھی مختصر ہو گیا ہے تو یہ ہرگز نہیں کہ ہم سب بونے ہو گئے ہیں۔۔۔سچ مچ مختصر ہو گئے ہیں۔۔۔نہیں، ہرگز

نہیں۔۔۔۔

روضۂ رسول ﷺ سے وصل کی جو ساعت قریب آتی ہے۔۔۔وہاں کا موسم جونہی پیاسے بدن پر ہولے سے بادِنسیم کے ایک جھونکے کی مانند۔۔اسے چھوتا ہے۔۔۔تو اس کی خوشگواری اور کیف ایسے مست کرتے ہیں کہ سر تو جھکے ہوتے ہیں ۔۔۔کندھے بھی جھک جاتے ہیں۔۔۔جتنا جھکا جا سکتا ہے اتنا ایک انسان جھکا جاتا ہے۔۔۔جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آجاتا ہے۔۔۔۔لیکن یہ یہاں ایک وجہ ہوتی ہے یونہی بے وجہ قرار نہیں آتا۔۔انہیں اس وجہ کے طفیل جس وجہ کے لیے وہ یہاں آئے ہیں اس کی قربت انہیں قرار دیتی ہے۔۔۔۔

سرگوشیاں مزید مدھم ہوتی جاتی ہیں۔۔۔۔

لب ہلنا بھول جاتے ہیں۔۔۔۔

ایسا قرار آتا ہے کہ کچھ مانگنا۔۔جھولی پھیلانا بھی بھول جاتا ہے۔۔۔۔

کہ جو کہنا تھا وہ کہہ چکے۔۔۔جو مانگنا تھا وہ مانگ چکے اب صرف دیکھنا تھا اسے جس سے مانگ رہے تھے۔۔۔جس کے واسطے سے مانگ رہے تھے۔۔۔بس اسے دیکھنا ہے۔۔۔اسے۔۔۔جسے محبوب قرار دینے والا دِلوں کے حال جانتا ہے۔۔۔تو وہ بھی جانتا ہوگا جو اس کا محبوب ہے۔۔۔۔کیونکہ ان کے درمیاں کوئی پردہ تو تھا نہیں۔۔۔جو اُس نے جانا وہ گویا اِس نے بھی جانا۔۔۔تو اصل میں دونوں ایک ہیں۔۔۔

ڈر میرے بدن سے کب کا رخصت ہو چکا تھا اس کی جگہ اشتیاق دھونی رمائے شانت بیٹھا تھا۔۔۔میں ایک اعتماد اور یقین کے ساتھ چلتا تھا کہ میری کاپی اب کوری نہیں رہی۔۔کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا سے بھر چکی ہے۔۔۔

نہ وہا کچھ سرزنش ہوگی اور نہ کوئی پرسش۔۔۔۔نہ سزا ملے گی۔۔دس کے دس نمبر دے کر مجھے پاس کر دیا جائے گا۔۔۔

البتہ اس شانتی اور سکون میں ایک گبھراہٹ ایسی تھی جو مجھے حواس باختہ کرتی

تھی۔۔۔دو چار ہاتھ لبِ بام رہ گیا تھا۔۔کہیں اب میں گر نہ جاؤں ۔۔۔کہیں گرایا نہ جاؤں۔۔۔وہاں تک پہنچ نہ پاؤں ۔۔۔اور اگر پہنچ بھی جاؤں تو ڈاچی والا سجن چل نہ دے۔۔۔اپنے حجرے سے کوچ نہ کر جائے۔۔۔یا پہریدار اعلان کر دیں کہ بس حاضری کا وقت تمام ہوا ۔۔۔جس نے سلام کرنا تھا سو کر لیا۔۔۔جو نہیں کر سکا وہ پھر کبھی قسمت آزمائے۔۔۔

یہ کوئی انوکھی گھبراہٹ نہ تھی۔۔۔

ہر مسافر۔۔۔ہر کوہ نورد اسی کیفیت میں گزرتا ہے۔۔۔

لمبی اور دشوار مسافتوں کے بعد جب منزل قریب آتی ہے تو یہی کھد بد کھلبلی مچاتی ہے کہ جانے میں پہنچ پاؤں گا یا نہیں۔۔۔

کہتے ہیں کہ سنولیک اس برف کے انبار کے پار ہے تو کیا میں اسے عبور کر کے اس تک پہنچ پاؤں گا یا نہیں۔۔۔راستے میں کوئی دراڑ آ گئی تو کہیں اس کی اتھاہ گہراؤں میں گر نہ جاؤں۔۔۔

ہر مسافر اسی کیفیت میں سے گزرتا ہے۔۔۔

پھر وہ جھیل آ گئی جس کے نیلے پانیوں میں میرا سفید کنول تیرتا تھا۔۔۔

بائیں جانب اس جھیل کی سنہری جالیاں تھیں جن پر کشیدہ کاری کے منظر دمکتے تھے۔۔۔یہاں سے میں اس کشیدہ کاری میں کاڑھے ہوئے حروف پڑھنے سے تو قاصر تھا۔۔۔

البتہ یہ تو خوب آگاہ تھا کہ آگے کچھ نہ کچھ کشید ہو رہا ہے۔۔۔

مے خواروں کی پیاس بجھانے کی خاطر کچھ بندوبست کیا جا رہا تھا۔۔۔

ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے۔۔۔بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے۔۔۔

یہ شیشہ تو ہمیشہ بھرا رہتا تھا اور اس میں جو مے تھی اس کے کم ہو جانے کا امکان ہی نہ تھا کہ بہ قدر ظرف مے خوار جتنی پیتے تھے اس قدر۔۔۔اتنی ہی کشید ہو کر پھر سے اس شیشے کو بھر دیتی تھی۔۔۔

تو شیشے میں مے بہت باقی تھی۔۔۔

کیا میرے ایسے پیاسے مے خوار کے لیے بھی بہت باقی تھی۔۔۔۔

اب ایک اور مسئلہ درپیش ہو گیا۔۔۔

جس جھیل کے نیلگوں پانیوں میں میرا سفید کنول تیرتا تھا وہ سنہری جالیوں کے عقب میں روپوش تھا۔۔۔

سنہری جالیوں میں سے جھانکنے کے لیے اندرون کے سحر کو ایک نظر دیکھنے کے لیے ایک نہیں تین چار روزن تھے۔۔۔اور وہ بھی بالشت بھر کے۔۔تو اس مختصر لمحے میں جب میں سامنے سے گزروں گا۔۔۔۔۔رک نہیں سکتا۔۔۔ چلتا چلتا نگاہ کروں گا تو کس روزن میں جھک کر جھانکنا ہے۔۔۔اور نہ جھانک سکا یونہی گزر گیا تو کیا ہو گا۔۔۔۔

میں پہلا روزن آنے سے پیشتر ہی ذرا جھک گیا۔۔۔

''رکیں نہیں ابو۔۔۔۔ چلتے جائیں۔۔۔۔آہستہ آہستہ''

''بیٹے کس روزن میں سے جانکنا ہے۔۔۔کس میں۔۔۔کس میں بیٹے؟''

''پہلے اندر کچھ نہیں۔۔۔ستون کے بعد جالیوں میں گول دائرہ سا ہے اس میں۔۔۔وہی ہے۔۔۔۔پہلے دو روزن نہیں۔۔''

اور اب اضطراب ایسا طاری ہوا۔۔۔ہاتھ پاؤں پھولنے لگے کہ سلجوق نے دھیمے لہجے میں جو کچھ کہا ہے' کیا کہا ہے۔۔۔پتا نہیں کون سا روزن ہے اور میں کیا سمجھا ہوں۔۔۔سنہری جالیوں میں جو چار روزن ہیں وہ گڈمڈ ہو رہے ہیں' آؤٹ آف فوکس ہو کر دھندلا رہے ہیں۔۔۔آگے پیچھے ہوتے جاتے ہیں۔۔۔ایک مقام پر ٹھہرتے ہی نہیں اور سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ان میں کس کو فوکس میں رکھنا ہے۔۔۔

میں نے ڈرتے ڈرتے کہ سلجوق برا نہ مان جائے کہ وہ بھی تو ایک کیفیت سے دو چار تھا اور میں اسے بار بار ڈسٹرب کر رہا تھا' پھر پوچھا ''بیٹے ایک مرتبہ پھر بتاؤ کون سا؟''

اوراس کے جواب دینے سے پیشتر میں جان گیا۔۔۔میں مزید مختصر ہو گیا۔۔۔بدن ہر گنجائش کی حد عبور کرتا اور جھکنے لگا۔۔۔

سونے کی ایک گھنی بوند۔۔۔۔۔جو ٹپکنے سے پیشتر ابھی گول حالت میں ساکت ہوئی ہے سنہری جالی میں ٹھہری ہوئی ہے۔۔۔۔اوراس بوند کے اندر وہ تھا۔۔۔وہی تھا۔۔۔

میں اُس سے آنکھیں لگا تو نہیں سکتا تھا کہ راستے میں ریلنگ تھی جو مجھے روکتی تھی۔۔۔میں ریلنگ تھام کر اپنے حواس، محبت اور اشک اور آنکھیں اس روزن کے قریب کر دیتا ہوں۔۔۔۔اندر نگاہ کرتا ہوں۔۔۔

اندر تو ایک گھُپ اندھیرا ہے۔۔۔کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔۔۔

یہ پہلی نظر کچھ نہ دیکھنے کے بعد جب میں نے پلکیں جھپکیں تو جالیوں میں ٹھہری ہوئی گھنی بوند کے اندر کچھ نظر آیا۔۔۔یہ نہیں کہ صاف نظر آیا اور کوئی پہچان ہوئی۔۔۔۔بس تاریکی کے پردے ذرا ہلکے ہوئے تو ان میں کچھ دکھائی دیا۔۔۔جیسے رات کے وقت یکدم بجلی چلی جانے سے ہر جانب نابینائی راج کرنے لگتی ہے۔۔۔پھر آہستہ آہستہ اس کی عادت ہونے لگتی ہے ۔۔۔۔کچھ کچھ غیر واضح اور بغیر پہچان کے سجھائی دینے لگتا ہے۔۔۔لیکن یہاں نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے کہ اشتیاق اور جذب کی لہریں مجھے پیچھے سے دھکیلتی تھیں کہ کیا بُت بنا کھڑا ہے۔۔۔چل ۔۔۔۔راستہ دے۔۔۔۔اور بھی تجھ سے بڑھ کر ڈوبے ہوئے منتظر ہیں۔۔۔چنانچہ یہاں آہستہ آہستہ عادت ہونے کی کچھ گنجائش نہ تھی اور نظر بھی جانتی تھی اسی لیے پہلی نظر کے بعد دوسری نظر ہی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کچھ کچھ دیکھنے لگی۔۔۔۔ایک نظر اس سنہری بوند کے پیچھے زمیں کا جتنا ٹکڑا آسماں تھا اس پر معلق سبز گنبد تک گئی تھی تو وہیں رہ گئی تھی۔۔۔اور یہ دوسری نظر بھی جو سنہری بوند کے اندر گئی ہے تو وہاں سے نہیں لوٹی۔۔۔۔

اندر ایک نیم تاریک صدیوں سے ٹھہرا ہوا سکوت تھا۔۔۔

میں جھکا ہوا اپنے بدن پر پیچھے سے دھکیلتی اشتیاق اور جذب کی لہریں سہارتا ریلنگ پر ہاتھ رکھے

سنہری جالیوں کی کشیدہ کاری میں جو روزن تھا۔۔۔اِک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔۔۔واحد کھڑکی جو دو جہان پر کھلتی تھی کہ وہاں آقا کا بسرام تھا میں اُس میں سے جھانکتا تھا۔۔۔

دل سے شوقِ رُخ نکو نہ گیا
تانکنا جھانکنا کبھو نہ گیا

بس یہی وہ تانکنا جھانکنا تھا۔۔۔شوقِ رخ نکو دل سے کیسے جاتا۔۔
جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں۔۔
نقشِ قدم تو کیا اس کے سراپے کو ہم دیکھتے ہیں۔۔
اندر ایک نیم تاریک صدیوں سے ٹھہرا ہوا سکوت تھا۔۔۔
تاریکی میں بینائی آتی جاتی تھی۔۔
ایک سبز پیراہن واضح دیکھائی دے رہا تھا۔جس پر آیاتِ قرآنی کے گل بُوٹے لالہ وگل کی مانند نمایاں ہو رہے تھے۔۔خاک میں یہ صورت تھی کہ جو پنہاں ہوگئی۔۔سبز پیراہن کے بالائی حصوں پر کناروں پر شوخ سرخ رنگ کی ایک پٹی۔۔صحرا میں غروبِ آفتاب کے بعد کے اُفق کی مانند سرخ اور زندہ۔۔جس پر کاڑھے ہوئے مقدس حرف اس نیم تاریکی میں بھی دمکتے تھے۔۔۔رنگینیوں میں ڈوب گیا پیراہن تمام۔۔
اور ہاں یہ تانک جھانک صدیوں یا پہروں پر محیط نہ تھی۔۔محض دو چار ثانئے تھے۔۔ایسے ثانئے جو دو چار بار آنکھیں جھپکنے سے گزر جاتے ہیں۔۔محض ایک آدھ جھانک تھی۔۔
صرف ایک آدھ جھات تھی۔۔پل دو پل کی پنجابی ''جھاتی'' تھی۔۔۔لیکن اس ایک جھاتی سے ایسے بوہے اور باریاں کھل گئے جن کے بارے میں۔۔جن کی موجودگی کے بارے میں اب تک لاعلم تھا۔۔یہ در اور کھڑکیاں کہاں سے آگئے۔۔میں تو ان کے وجود سے آگاہ نہ تھا۔۔میرا تو یہی

گمان تھا کہ اس دِل میں کوئی دروازہ نہیں کوئی کھڑکی نہیں۔۔ یہ ایک گنبد بے در کی مانند صرف اپنی گونج سنتا ہے۔۔سوائے اپنے اور کسی کی نہیں سنتا اور اب یہ ہے کہ ان دروازوں اور کھڑکیوں سے ایک ایسی ہوا چلی ہے کہ یہ دل میری بھی نہیں سنتا۔۔مجھ سے ایسا باغی ہوا ہے کہ یہ پرواہ بھی نہیں کر رہا کہ وہ جو دھڑکنا بھول رہا ہے تو اس کے نتیجے میں مر جاؤں گا۔۔

ایسی ہوا چلی کہ بہت سے تنکے شک وشبہ کے یہ ہوا اڑا لے گئی۔۔

میں جو ایک عادی کھوٹا سکّہ تھا۔۔ بہت دیر تک کھرا نہیں رہ سکتا تھا۔۔ بے شک اس کے سیاہ پوش گھر کے گرد پھیرے لگاتے میں کھرا تو ہوا تھا۔۔لیکن خانہ کعبہ سے باہر آیا ہوں تو پھر سے زنگ چڑھنے لگا۔۔ایسا تہہ دار زنگ چڑھا کہ کچھ پہچان نہ ہو پاتی تھی کہ یہ سکّہ کون سے زمانے کا ہے۔۔تو ابھی میں پھر سے کھوٹا تھا اور ابھی سے پھر میں کھرا ہو گیا۔۔

اس ایک ''جھاتی'' نے سب زنگ اتارا۔ ایسا کہ میں ابھی تک کھرا اور نواں نکور ہوں۔۔ بے شک کسی بازار میں آزما لیا جائے۔۔کوئی دکاندار انکار نہیں کرے گا۔۔

اس ایک ''جھاتی'' کے دوران جھکے ہوئے جھانکتے ہوئے پہلے تو میں نے بلند آواز میں اسے نہایت بے تکلفی سے ایسے سلام کیا جیسے یاروں کو کرتے ہیں اور پھر باب السلام سے چلتے ہوئے یہاں تک پہنچتے ہوئے جتنی بھی عرضیاں ٹائپ کی تھیں۔۔التجاؤں اور سفارشوں کی درخواستیں لکھی تھیں وہ سب کی سب اس لمحۂ مختصر میں اس کے سامنے ڈھیر کر دیں۔۔

اور میں جو فیل ہونے سے ڈرتا تھا جان گیا کہ میری کوری کاپی پر انہوں نے دس کے دس پورے نمبر لگا کر مجھے امتیازی حیثیت میں پاس کر دیا ہے۔۔

اگر وہ قبول کر لے۔۔ وہ پاس کر دے تو اس جہان میں کیا سب جہانوں میں کون ہے جو مجھے فیل کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔۔

جالیوں کی درزوں میں سے مجھے حضورﷺ کے پیراہن کی سبز اور سرخ مہک آتی تھی۔۔مجھ تک آتی تھی۔۔ان کے اوڑھے ہوئے غلاف کی جادوگری مجھے اسیر کرتی اور مجھ

جھاتیاں مارنے والے۔۔تانک جھانک کرنے والے شخص کے تن بدن میں دھومیں مچاتی تھی۔۔
کتھے مہر علی۔۔۔کتھے تیری ثنا۔۔

پہرے دار۔۔مجھے۔۔اشارے سے۔۔خشونت اور برہمگی سے نہیں جو کہ خانہ خدا کے رکھوالوں کی خصلت ہے بلکہ نرمی اور مسکراہٹ سے درخواست کرتے تھے کہ آپ رکو نہیں۔۔آگے ہوتے جاؤ۔۔تمھارے پیچھے آنے والے بھی تو اس جھاتی کے تمنائی ہیں اور دور کے شہروں سے اس شہر میں آئے ہیں۔۔تو ان کے لیے جگہ خالی کر دو۔۔

اور میرے پیچھے آنے والے جتنے بھی تھے ان سب کی آنکھیں میری پشت پر جلتی تھیں۔۔کمر اور کندھوں کے درمیان چھید ڈالتی تھیں۔۔مسلسل یہ منتظر آنکھیں دستک دیتی تھیں کہ بس۔۔ہمیں راستہ دے دو۔۔ہ بھی تو بہت دور سے آئے ہیں۔۔کہاں کہاں سے آئے ہیں کیا بتائیں۔۔اس دنیا کا کون سا کونہ ہے جہاں سے ہم نہیں آئے۔۔تم سے کہیں بڑھ کر طویل پر مشقت اور جان لیوا مسافتیں طے کر کے آئے ہیں تو ہمیں بھی جھانک لینے دو۔۔۔تمہیں کیا خبر کہ جب کوئی چینی شی آن سے چلتا ہے تو کیسے یہاں تک پہنچتا ہے۔۔نہ تم یہ جانتے ہو کہ داغستان کے مسافروں پر کیا گزرتی ہے۔۔تم کبھی آگاہ نہیں ہو سکتے کہ مالی کہاں واقع ہے۔۔ٹمبکٹو کے صحرائی شہر سے جو آتے ہیں تو کیسے صحراؤں کو عبور کر کے آتے ہیں۔۔تم تو آسائش سے لاہور سے اڑے اور جدّہ سے اپنے بیٹے کے گھر پہنچ گئے۔۔تو ہمیں بھی جھانک لینے دو۔۔ہم اپنے دور کے شہروں میں جس نظارے کو ترستے تھے اسے دیکھ لینے دو۔۔راستے کی دیوار نہ بنو۔۔ہم دور کے شہروں سے آئے ہیں اور ہم بھی یہی عرض کرنے آئے ہیں کہ کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا۔۔

[منہ وَل کعبے شریف]

پیغامِ اقبالؒ

علامہ محمد اقبالؒ

قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے ؟خدائی
جو فقر ہوا تلخیِ دوراں کا گلہ مند
اُس فقر میں باقی ہے ابھی بوئے گدائی
اِس دور میں بھی مردِ خدا کو ہے میسر
جو معجزہ پربت کو بنا سکتا ہے رائی!
در معرکہ بے سوزِ تو ذوقے نتواں یافت
اے بندۂ مومن تو کجائی ؟ تو کجائی ؟
خورشید ! سرا پردۂ مشرق سے نکل کر!
پہنا مرے کہسار کو ملبوسِ حنائی!

[ضربِ کلیم]

جنگ نامہ منسوب بہ قاسم نامہ

مولانا شمس الدین اخلاصیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض پردازی بہ جناب مستطاب حضرت نبوی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام جہت استطلاع نور والتماس حضور

علی الانفِ قد جاء روح الامم	۱۹۴	ترحم ترحم جمیل الشیم
خدا خواندہ ات رحمۃ العلمیں	۱۹۵	زِ عالم چرائے فراغت گزیں
بَرآور جمال آفتاب از نقاب	۱۹۶	بود چند سایہ نشیں آفتاب
تُرا خواب در سہ صدو یک ہزار	۱۹۷	بس آورد مے سر زِ خوابت برآر
جہانے بہ رہ دیدہ در انتظار	۱۹۸	زِ پا بوسی اقبال را خواستگار
خوشا کز پسِ انتظارِ بسے	۱۹۹	بہ مطلوبِ خود راہ یابد کسے
اگر شاہی اَزْ مہر خود دِہ نشاں	۲۰۰	وگر گل زِ باغ تو بوئے رساں
بہ سوئے عجم راں زِملکِ عرب	۲۰۱	بہ پا زردۂ روز وشب دیز شب
بہ آرایشِ دیں جہاں تازہ کن	۲۰۲	جہاں اَزْ سرِ نو پُر آوازہ کن
عمارت کہ کردی قوی جائے گیر	۲۰۳	زِ دورِ فلک شد مرمت پذیر
زِ دوناں بہ کش تاجِ شاہنشی	۲۰۴	زِ آلودگاں ساز منبر تہی
بہ زن سکہ عالم بہ نام تو ہست	۲۰۵	بہ خواں خطبہ منبر مقامِ تو ہست
وجودِ تو بوئے بہ عالَم سپرد	۲۰۶	کنوں آں ہمہ بوئے را باد بُرد
زِ ہر سو نمایند دیں را کمیں	۲۰۷	زِ دُلہالیاں رخنہ آمد بدیں
خصوصاً زِماں بہر دیں را کمیں	۲۰۸	چہ زِحمت کہ برزادۂ رحمت ست

مراصدُ رہٗ حرماں بہ از رحمتے ۲۰۹ کہ بر زاید از وے چنیں زحمتے

زِ صدقِ ابوبکر گر دیدہ است ۲۱۰ عمر خود زِ عنبر تہی دیدہ است

علی با رِسالت نمودہ قبول ۲۱۱ کہ بر بے محل وحی کردہ نزول

کسانیکہ علمائے دینِ تواند ۲۱۲ دما دم دم از ورثہ ات میزند

چناں پائے ایشاں شدہ در ریاست ۲۱۳ کہ از طمع دنیا نگویند راست

بہ ایشاں کند ہر کہ دستِ دراز ۲۱۴ از ایشاں بہ ہر کارِ باشد مجاز

ہماں کس بہ ماند اگر بستہ کف ۲۱۵ مقامِ نمازش نماند بہ صف

زبانِ کلام از قفاشاں برار ۲۱۶ بریدہ سرِ جملہ بردار دار

عمل پیشہ ہر چہ وہابی کند ۲۱۷ بہ ہندوستاں بس خرابی کند

فریضہ کہ شد عادلہ نامِ اُوْ ۲۱۸ اَزُوْ سر زدن کامِ بد کامِ او

چراغے کہ فضلت بر افروختہ ۲۱۹ اَزُوْ عالمے فیض اندوختہ

وہابی بود ہر زماں تُف زَنَش ۲۲۰ سیاست براں بر سروشف زَنش

مذاہب شد اندر جہاں بے شمار ۲۲۱ بسنت کم ست آں کہ ماند استوار

غلام احمدے کوست در قادیاں ۲۲۲ غلامے چہ خود احمد آمد عیاں

بہ دعویٰ مسیح ابنِ مریم بود ۲۲۳ بہ مکر و حِیَل مثلِ او کم بود

عبارت گری جملہ معجز شمرد ۲۲۴ بسے سادہ لوح اَزْ رہِ راست بُرد

چناں آمدہ سحرِ اُوْ دیدہ پوش ۲۲۵ کہ آیت خبر کس نیارد بہ گوش

منارہ بلند اَزْ حِیَل دامِ او ۲۲۶ دمشقے منارہ شدہ نام او

بود راہ تاویل او بس فراخ ۲۲۷ ازاں راہِ دِل اہلِ دیں شاخ شاخ

چو طاعونے آید زِ دورِ زمن ۲۲۸ ہمہ گوید آفت زِ تکذیبِ من

مسیحا فرست از بلند آسماں ۲۲۹ کہ از زحمتش پاک سازد جہاں

مخالف نکو داند وہم معین ۲۳۰ کہ صادق بدو یا کہ کاذب لعین

بہ اخلاصِ ماہم غلام احمد یست ۲۳۱ بہ چالاکیش دسترس بے حدیست

بہ یک جانمودہ ہمہ مرد و زن ۲۳۲ شدہ وعظ گوئے بر سرِ انجمن

کہ من گردِ ایں شہر حلقہ زنم ۲۳۳ شما را بہ باید بہ پے رفتنم

کہ در شہر داخل نہ طاعون بود ۲۳۴ ہمہ شہر ازیں مرگ مامون بود

بسے روز امامے بہ جعلی نماز ۲۳۵ بہ گرمائے سخت و قیامِ دراز

ہمہ جاہلاں وِرد گوئی بَر ملا ۲۳۶ میاں شہر محفوظ کرد اَزْ بلا

میاں جی چو ایں گوش کرد اَزْ بسے ۲۳۷ بہ گفت آں چہ دیدم ندیدہ کسے

یکے از شما بیند آں را اگر ۲۳۸ پس از زندگی دست شوید مگر

بہ حکمِ قضائے خداوند گار ۲۳۹ چو طاعون بہ اِخلاص شد آشکار

میاں جی بہ گفتا کہ ایں خَلقِ شہر ۲۴۰ زِ ناراضیم مبتلا شد بہ قہر

مگر سبقش از قادیاں آمدہ ۲۴۱ کہ در اعتقادش زیاں آمدہ

رسد موت خلق و حیات اَزْ قضا ۲۴۲ گر اُوْ راضی است و اَگر نا رضا

ازاں سو توجہ یکے بس بود ۲۴۳ کہ صاف اعتقادِ ہمہ کس بود

جہاں رازِ ہر بدعت آزاد کن ۲۴۴ رہ اسلام و سنت بس آباد کن

علی با صفِ خامِ دیناں سِپار ۲۴۵ عمر بر مریداں شیطاں گذار

شدہ مفتیاں را چو انگشت آز ۲۴۶ بہ لقمہ ربودن قلم بس دراز

بہ دستِ سیاست شکن مشتِ اُوْ ۲۴۷ قلم کن بہ قہر خود انگشتِ اُوْ

ہماں وعظ گوی کز پے ِگرْدِ مال ۲۴۸ گہے در جنوب ست و گہ در شمال

درِ وعظ را چوں نماید فراز ۲۴۹ کند دستِ خواہش بہ ہر کس دراز

بہ سوداگری بس نماید زیاں ۲۵۰ کہ تفسیر و قرآں فروشد بہ ناں

چو پر کیسہ آید سوئے خانہ باز ۲۵۱ نماند بہ سوئے نمازش نیاز

چو بر حدّ شرعش نباشد کلام	۲۵۲	بہ سر منبرش خُرد گرداں تمام
بہ زن برق در خرمن ابلیس را	۲۵۳	شکن سبحۂ مکر و تلبیس را
مہ چار دہ را شب آور بسر	۲۵۴	سر آور زِ بردِ یمن چوں بدر
زِ اَوجِ عروجت بکن یک رجوع	۲۵۵	بہ نورِ جمالت بدہ یک طلوع
کہ عالم بہ تو چشمِ روشن شود	۲۵۶	ہمہ گلخن اش از تو گلشن شود
زِ پا افتگاں را بدہ یاری اے	۲۵۷	بہ دِل دادگاں بخش دلداری اے
چو اَزْ قول شیطاں نگردیدہ ایم	۲۵۸	بہ بحرِ گنہ غرقِ گردیدہ ایم
بہ ماروئے گرداں تواے پشتیباں	۲۵۹	بہ ما اَزْ کرم دل دَہ و ہَم زُباں
ازاں شوخی آید زِ ما پر گناہ	۲۶۰	کہ ہستی تو از بہرِ ما عذر خواہ
بہ تو تکیہ و پشت چوں آوریم	۲۶۱	نداریم غم گرچہ عصیاں گریم
بدہ قوتے با پناہندگاں	۲۶۲	عطا ساز نعمت بہ خواہندگاں
زِ کردار خود تکیہ برداشتیم	۲۶۳	زِ تو بر کرم دیدہ بہ گماشتیم
بہ روزِ قیامت چو اہلِ عذاب	۲۶۴	بہ سوزند در گرمئ آفتاب
بہ ما برکتے سایۂ خویش نشر	۲۶۵	کہ می داریش بہرِ خورشید حشر
من اخلاصیم تشنۂ جوئے تو	۲۶۶	کمینہ سگ افتادہ در کوئے تو
مرا خواہشِ ہست خواہی زِ غیب	۲۶۷	کہ آید مرا آرزوئے بہ جیب
چہ ہست آرزو و نگہ روزِ شمار	۲۶۸	رسد مژدۂ عفوم از کردِگار
بیا ساقیا نوبت آمد بہ من	۲۶۹	بہ من دہ مئے باقی از انجمن
کہ تا ہستئ خود خراب آورم	۲۷۰	بداں انجمن یک شتاب آورم

جاری---------

تذکرہ اساتذہ کرام درس گاہ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی

علامہ محمد اسلم ☆

حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی کی عظیم درس گاہ میں علمی جواہر بکھیرنے والوں میں سے ایک نایاب شخصیت استاذ العلما عمدۃ الاذکیا حضرت علامہ مولانا محمد سعیدؒ کی بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔

ابتدائی حالات: علامہ موصوف کی ولادت باسعادت ماہِ ربیع الاوّل شریف ۱۹۰۱ء کو ملتان خورد [تحصیل تلہ گنگ، ضلع چکوال] میں علامہ کعب ظہیر کے ہاں ہوئی۔ مولاناؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ملتان خورد میں حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کو والدِ گرامی نے مزید تعلیم و تربیت کے لیے خواجۂ خواجگاں خواجہ احمد میرویؒ کی بارگاہ میں بھیج دیا۔ آپ کچھ عرصہ میرا شریف کی درس گاہ میں مختلف اساتذہ کرام سے اکتسابِ فیض کرتے رہے۔ مولانا ممدوح اسی آستانہ شریف میں زیرِ تعلیم ہی تھے تو آپ کے والدِ گرامی کا وصال ہو گیا۔ والدہ صاحبہ کا وصال تو اس سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اب مولانا محمد سعیدؒ کے لیے بظاہر مشکل حالات تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال تھا، آپ نے ان مشکل حالات کی وجہ سے سلسلۂ تعلیم منقطع نہ فرمایا بلکہ اپنے چچا نورِ مصطفیٰ کی کفالت پر اپنی تعلیم جاری رکھتے ہوئے ہزارہ کے مدارس کی طرف تشریف لے گئے، لیکن وہاں عدم اطمینانِ قلب کی وجہ سے واپس آنا پڑا۔ کچھ ایام کے بعد آپ کے مقدر کا ستارہ چمکا۔ آپ بندیال شریف کی عظیم شخصیت اور ولیٔ کامل، فقیہ العصر استاذ العلما حضرت مولانا یار محمد بندیالویؒ کی خدمت میں اکتسابِ فیض کے لیے حاضر ہوئے اور اسی درس گاہ سے اپنے سلسلۂ تعلیم کو مکمل کیا، مزید براں حدیث شریف پڑھنے کے لیے بریلی شریف میں تشریف لے گئے۔ وہاں سے ہی سندِ حدیث حاصل کی۔

☆ صدر مدرس، درسِ نظامی، خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی

یوں آپ کی تعلیم کا ایک ظاہری سلسلہ پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

مقاماتِ تدریس: مولانا محمد سعیدؒ علومِ ظاہریہ کی تکمیل کر چکے تو آپ نے اپنے استاذِ گرامی علامہ یار محمد بندیالویؒ کے حکم پر بندیال شریف [تحصیل قائد آباد، خوشاب] میں تدریس کا آغاز فرمایا۔ یہ بھی یاد رہے علامہ یار محمد بندیالویؒ مولانا موصوف سے بہت محبت فرماتے تھے۔ جس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب مولانا بندیالویؒ کا وقتِ وصال قریب آیا تو آپ نے مولانا محمد سعیدؒ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا! ''میرے وصال کے بعد عبدالحق [مولانا یار محمد بندیالویؒ کے بڑے صاحبزادے] کی تعلیم و تربیت آپ کے سپرد ہے۔ لہٰذا اِن کا بے حد خیال رکھنا۔'' مولانا محمد سعیدؒ نے بھی استاد کے حکم کی تکمیل میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مولانا موصوف نے مولانا عبدالحق مدظلہ العالی کی تعلیم و تربیت پوری توجہ سے فرمائی۔ علاوہ ازیں مولانا عبدالحق مدظلہ العالی کے لیے مولانا محمد احمد الدینؒ مکھڈی کے ہاں سلسلہ نسبت قائم کرنے میں بھی مولانا محمد سعیدؒ نے اپنا کردار ادا کیا۔ آپ کا فی زمانہ استاد کے حکم کی تکمیل میں عملی نمونہ پیش کرنا انتہائی مشکل ہے۔ فقط ایسی شخصیات کی مثالیں ہی بطورِ نمونہ پیش کی جاسکتی ہیں۔ بہرصورت اس کے بعد مولانا موصوف سلسلہ تدریس کے لیے میمن حضرات کی فرمائش پر ہندوستان کاٹھی واڑ ضلع گجرات میں تشریف لے گئے۔ تین سال تک وہاں سلسلۂ تدریس جاری رکھا۔ بعدازاں آپ اپنے گاؤں ملتان خورد میں تشریف لے آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد سجادہ نشین میرا شریف کے حکم پر آپ مکھڈ شریف حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی کی درس گاہ میں تشریف لائے۔ چونکہ اُس وقت آستانہ عالیہ مکھڈ شریف کے سجادہ نشین مولانا محمد احمد الدینؒ مکھڈی تھے۔ جن کا روحانی تعلق کے علاوہ نسبی تعلق بھی میرا شریف کے ساتھ قائم تھا۔ لہٰذا اِن وجوہات کے پیشِ نظر مولانا محمد سعیدؒ کو سجادہ نشین میرا شریف کے حکم کی تکمیل کرنا ضروری اور لازم تھی۔ جب مولانا موصوف مکھڈ شریف تدریس کے حوالے سے تشریف لائے تو اُس وقت ٹرانسپورٹ کا کوئی خاص انتظام و انصرام نہ تھا۔ برساتی نالہ ''سواں'' کی وجہ سے راستہ میں بہت تکلیف اُٹھانی پڑتی تھی۔ تاہم مولانا موصوف

سفرِ مکھڈ بذریعہ سائیکل فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک روایت کے مطابق آپؒ کا کہنا ہے کہ "اگر مولانا محمد احمد الدینؒ مکھڈی سے دوستی و محبت اور حضرت میرا شریف کا حکم نہ ہوتا تو میں کبھی تدریس کے لیے مکھڈ شریف حاضر نہ ہوتا" [یہ بھی یاد رہے کہ مولانا موصوف مولانا محمد احمد الدینؒ مکھڈی کے کاٹھی واڑ میں ہم سبق تھے۔] مولانا محمد سعیدؒ نے پانچ سال مکھڈ شریف میں تدریس فرمائی۔ اُس کے بعد آپ کو مولانا محمد عبدالحق بندیالوی مدظلہ العالی نے مَلک سرخرو کی درس گاہ میں جانے کی فرمائش کی۔ لہٰذا مولانا نے اپنے استادزادے کی فرمائش کے مطابق واں بچھراں کی درس گاہ میں تیس سال تک تدریس کا عظیم معیار قائم فرمایا۔ اِس دوران بہت سے لوگ آپ سے فیض یاب ہوئے۔ اِس کے بعد آپ نے ضعفِ طبیعت کی وجہ سے تدریس کی ذمہ داریوں سے اپنے آپ کو آزاد کرنا چاہا، لیکن کوچھ شریف ضلع میانوالی کے صاحبزادہ صاحب کا حکم ہوا کہ آپ بوری خیل ضلع میانوالی میں تدریس کے لیے مہربانی فرمائیں۔ اگرچہ صحت بھی اجازت نہیں دے رہی تھی لیکن مولانا موصوف کا کوچھ شریف والوں کے ساتھ بھی ایک نسبی تعلق تھا، جس کی وجہ سے آپ کو وہاں جانا پڑا۔ آپ نے وہاں بمشکل ایک سال تدریس فرمائی۔

مولانا کا خاندانی پسِ منظر: جس طرح مولانا محمد سعیدؒ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں، ایسے ہی آپ کا خاندان بھی علمی معیار کی بنا پر محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ مولانا موصوف کے والدِ گرامی علامہ کعب ظہیر اپنے وقت کے عظیم علمائے کاملین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے والدِ گرامی استاذ العلما مولانا لطف اللہ علی گڑھی [جو حضرت پیر سید مہر علی شاہؒ کے بھی استاد ہیں] کے شاگرد تھے اور اپنے وقت میں فتویٰ نویسی میں بھی مہارتِ کاملہ رکھتے تھے۔ آپؒ کے جدِ اعلیٰ کا اسمِ گرامی حافظ مولانا رحمت اللہ تھا، جن کا مزار مبارک انگہ (وادیٔ سون) میں مرجع خلائق ہے۔ حافظ رحمت اللہ حضرت شاہ عیسیٰ بلوٹیؒ کے اولین خلفا میں شمار ہوتے تھے۔ حافظ رحمت اللہ کے لختِ جگر مولانا محمد عاصم جو انگہ سے لاوہ (تلہ گنگ) کی طرف ہجرت کر کے آئے تھے۔ ان کا مزار بھی لاوہ شہر میں موجود ہے۔ مشہور روایت کے مطابق آپ کے مزار مبارک کے متصل ایک نالہ بہتا ہے۔ جو

کثرتِ بارش کی وجہ سے بھر تو جاتا ہے لیکن اتصال کی بجائے آپ کے مزار مبارک کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ مولانا محمد سعیدؒ کے خاندانی پس منظر کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا خاندان علم وحکمت کا عظیم منبع ہے۔

مولانا سے فیض یافتہ علما: مولانا موصوف سے بہت سے حضرات نے علومِ ظاہریہ میں اکتساب فرمایا، جن کے اسمائے گرامی گنوانے ممکن نہیں۔ تاہم کچھ معروف شخصیات کے اسمائے گرامی نمایاں اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۔ قاضی نور احمد، ٹبہ شریف (تلہ گنگ) [قاضی نور احمد بندیال شریف کی درس گاہ میں آپؒ کے شاگرد رہے۔]

۲۔ استاد العلما مولانا فضل حق بن مولانا یار محمد بندیالویؒ آپ کے پاس مکھڈ شریف میں علم حاصل کرتے رہے۔ جیسا کہ مولانا فضل حقؒ کے احوال میں موجود ہے کہ ''آپؒ ایک سال تک مکھڈ شریف میں فقیہہ العصر کے شاگرد مولانا محمد سعیدؒ ملتان خورد کے پاس قیامِ مکھڈ کے دوران پڑھتے رہے۔'' [پیکرِ صبر واستقامت، مرتبہ: محبوب احمد بندیالوی، ص ۲۵، مطبوعہ اسلامک سنٹر، لاہور]

۳۔ مولانا حافظ قاری گل خان، سورگ (تحصیل پنڈی گھیب، اٹک): [قاری گل خان مرحوم نے راقم کو خود بتایا کہ مجھے مولانا محمد سعیدؒ کے ہاں واں بھچراں کی درس گاہ میں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔]

۴۔ مولانا شہباز خان (بنوں، خیبر پختون خواہ)

۵۔ مولانا خادم حسین (کندیاں، ضلع میانوالی)

۶۔ مولانا مقبول چکڑالوی (چکڑالہ، ضلع میانوالی)

۷۔ مولانا فیض الحسن (ملتان خورد، تحصیل تلہ گنگ، چکوال)

۸۔ مولانا محمد علی خان (لاوہ، تحصیل تلہ گنگ، چکوال)

نوٹ: مولانا محمد سعیدؒ استاذ العلما علامہ عطا محمد بندیالویؒ کے بھی ہم سبق تھے۔ جیسا کہ استاذ العلما سے سوال ہوا کہ آپ کے ہم سبق ساتھیوں میں سے کوئی ساتھی قابلِ ذکر ہے تو استادِ محترم نے جواب میں فرمایا کہ ''بہت سے ساتھی قابلِ ذکر ہیں لیکن مولانا محمد سعید صاحب ٹمن ملتانی بہت قیمتی آدمی اور بہت ہی اہم دوست تھے۔'' [بحوالہ استاد العلما، ص ۱۷۸، مطبوعہ بزمِ انوارِ رضا، جوہر آباد، خوشاب]

مولانا محمد سعیدؒ نے دورانِ تدریس صرف ونحو کے موضوع پر ایک لاجواب کتاب بھی تصنیف فرمائی تھی، جس کا نام ''سعید النحو'' تھا، لیکن یہ کتاب اب تک طباعت کے مراحل سے نہیں گزری، تاہم راقم نے کئی بار مولانا موصوف کے صاحبزادے مولانا مظہر صاحب سے رابطہ قائم کیا، لیکن ابھی تک تو اس کے منصۂ شہود پر آنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ مولانا موصوف حج بیت اللہ کی سعادت سے بھی بہرہ مند ہوئے۔

وصال: مولانا نے ۳، رجب المرجب ۱۹۸۸ء کو دارِ فانی سے دارِ ابدی کی طرف کوچ فرمایا۔ آپؒ کی قبرانور آپ کی وصیت کے مطابق اپنے والدین کے قدمین میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کی نمازِ جنازہ کی امامت آپ کے استادزادہ اور شاگردِ رشید علامہ عبدالحق بندیالوی مدظلہ العالی نے فرمائی۔ آپؒ کے تین صاحبزادے الحمدللہ حیات ہیں۔

ماخذ ومراجع

۱۔ مولانا مظہر، صاحبزادہ مولانا محمد سعیدؒ سے ملاقات
۲۔ استاذ العلماء، محبوب رسول قادری، بزمِ انوارِ رضا، جوہر آباد (خوشاب)، ۱۹۹۹ء
۳۔ پیکرِ صبر واستقامت، مرتبہ: محبوب احمد بندیالوی، اسلامک میڈیا سنٹر، لاہور، ۲۰۰۶ء
۴۔ سوانح حیات استاذ العلما، حبیب الرحمٰن سروانی، مکتبہ قادریہ، لاہور

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

توحیدِ خالص

تصنیف لطیف

حضرت خواجہ غلام زین الدین چشتی نظامیؒ

وجہ تصنیفِ کتاب

اس پُرفتن دور میں اسلام پر طرح طرح کے حملے ہو رہے ہیں۔ خصوصاً مذہبِ اہلِ سنت والجماعت پر، اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے ہیں۔ اسلام تو ایک دینِ واحد ہے۔ **کما قال اللہ تعالیٰ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً**، لوگ ایک دین پر تھے لیکن بے دینوں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ **اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْ شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ:**

ترجمہ: وہ جنھوں نے اپنے دین میں راہیں نکالیں جدا جدا، اور کئی گروہ ہو گئے۔ اے محبوب! تمھیں ان سے کچھ علاقہ نہیں۔

ان باطل گروہوں میں سے ایک گروہ ہے جو کہ اپنے آپ کو موحد کہلاتا ہے اور توحید کے خود ساختہ معانی کر کے صرف اپنے ہم عقیدہ لوگوں کو مسلمان اور اپنے عقیدہ کے برخلاف لوگوں کو کافر کہتا ہے۔ ملاحظہ ہو شامی، جلد ثالث صفحہ ۴۲۷ باب البغاۃ

کما وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوهاب الذين خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين و كانو ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقد وانهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذالك قتل اهل السنة وقتل علماء هم حتى كسر الله تعالىٰ شوكتهم وخرب بلادهم وظفر بهم عساكر المسلمين عام ثلاث وثلاثين ومائتين.

ترجمہ: جب کہ ہمارے زمانہ میں (مسلمان کو کافر کہنے کا مسئلہ) واقع ہوا ہے۔

عبدالوہاب نجدی کے متبعین سے جونجد سے نکلے اور حرمین شریفین پر غالب ہوئے اورنسبت مذہبِ حنابلہ کی طرف کرتے تھے لیکن انھوں نے اعتقاد کیا کہ صرف وہی مسلمان ہیں، اور جولوگ ان کے اعتقاد کے مخالف ہیں وہ مشرک ہیں۔ مذہب اہلِ سنت والوں کے قتل کرنے کو مباح سمجھا اور علما کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت کو توڑا اور ان کے شہروں کو برباد کیا، مسلمانوں کے لشکروں کو ان پر فتح عطا فرمائی۔ ۱۲۳۳ھ میں۔

سو یہ عاجز اب آپ کے سامنے ''توحیدِ خالص'' بیان کرتا ہے۔ ارشادِ ایزدی ہے **فَاعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ.**

ترجمہ: تو اللہ کی پرستش کرو، خالص اس کے بندے ہو کر۔

تمام انبیاء کرام علیھم الصلوۃ والسلام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تین اصولوں کی تبلیغ کرتے آئے ہیں۔

۱۔ توحیدِ خالص

۲۔ رسالت

۳۔ قیامت

تا آنکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تکمیلِ دین ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ.**

ترجمہ: آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کردیا۔

سب انبیاء کرام اصولِ دین میں ایک دین پر ہیں، صرف فروعات اور شریعتوں میں اختلاف ہے۔ جاننا چاہیئے کہ انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے مسجودِ ملائکہ بنایا اور تاجِ خلافت اس کے سر پر رکھا اور اللہ تعالیٰ کی پیش کردہ امانت کو صرف حضرتِ انسان نے قبول کیا۔ ارشادِ باری ہے **اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ۔**

ترجمہ: ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور حضرتِ انسان نے اسے اٹھالیا۔

تو اب اس مسئلہ توحیدِ خالص بیان کرنے کے لیے مندرجہ ذیل امور ضروری بیان کرنے ہیں۔

اس مخلوق کی چار علتیں معین ہیں۔

۱۔ علتِ فاعلی

۲۔ علتِ مادی

۳۔ علتِ صوری

۴۔ علتِ غائی

اِن چار علتوں کے بیان کرنے کے بعد توحیدِ خالص یعنی

۱۔ توحید فی الذات

۲۔ توحید فی الصفات

۳۔ توحید فی العبادۃ

یہ سب انشاءاللہ بیان کی جائیں گی۔

علتِ فاعلی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ **یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ.**

ترجمہ:۔ اے لوگوں اپنے رب کو پوجو جس نے تمھیں پیدا کیا۔

دوسری علتِ مادی یعنی جس مادہ سے انسان کو بنایا **فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ تُرَابٍ.** یعنی تمھارے باپ حضرت آدم علیہ اسلام کو جو اصل نسل ہیں، مٹی سے پیدا فرمایا جو انسان کا اول مادہ بعیدہ ہیں۔ غور سے سنو! حضرت آدم علیہ السلام کا مبارک پتلا خاکی اس ترتیب سے اللہ تعالیٰ نے بنایا **اِنَّا خَلَقْنٰا ھُمْ مِنْ طِیْنِ الَّازِبْ.**

ترجمہ: بے شک ہم نے ان کو چپکتی مٹی سے بنایا۔

جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس مٹی سے بنایا اور پھر سارے انسانوں کو آدم علیہ السلام سے۔ دیکھو ''روح البیان'' میں ہے کہ انسان کی اصل، چکنی مٹی ہے، جس میں چمٹنا، لپٹنا پایا جاتا ہے۔ لہٰذا انسان کی فطرت میں لپٹ ہے، خواہ دنیا سے لپٹے یا دین سے، خواہ شیطان سے یا حبیبِ رحمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم اور دامن سے، **مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاءٍ مَّسْنُوْنٍ.**

ترجمہ: بجتی مٹی سے جو بدبو اور سیاہ گارے سے ہے۔

تشریح: پہلے چکنی مٹی سے پیدا فرمایا پھر سیاہ بدبودار گارے سے، پھر تھوڑی مدت کے بعد وہ بجتی ہوئی مٹی بن گئی۔ پس اب یہ مبارک ڈھانچہ مکمل ہو گیا۔ مکمل ہونے کے بعد یہ مبارک ڈھانچہ چالیس سال دروازۂ جنت پر رہا، پھر جب اللہ تعالیٰ نے چاہا اس میں روح پھونک کر مسجودِ ملائکہ اور خلیفۃ اللہ فی الارض بنا دیا۔ اس روح پھونکنے کی وجہ سے وہ مسجودِ ملائکہ بنے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آدم علیہ السلام کے پتلا بنانے سے پہلے، جو مٹی آپ کے وجودِ مبارک کے لیے لی گئی وہ زمین کے ہر حصے سے لی گئی۔ چونکہ زمین کے قطعات کی مختلف رنگتیں تھیں اس لیے بنو آدم بھی مختلف رنگتوں پر پیدا ہوئے۔ **عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ تبارک وتعالیٰ خلق آدم من قبضۃ قبضھا جمیع الارض فجاء بنو آدم علی قدر الارض منھم الاحمر والابیض والا سود وبین ذالک والسھل والحزن والخبیث والطیب اخرجہ التر مذی وابوداؤد واحمد،** تفسیر خازن، ص ۱۰۱

ترجمہ: حضرت ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے فرماتے ہیں۔ سنا میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ فرماتے تھے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا آدم کو ایک مٹھی سے، کر لیا تھا اس کو سب طرح کی زمین میں سے، پس پیدا ہوئی اولادِ آدم کی، موافق زمین کے بعضے ان میں سے سرخ اور بعضے سفید اور بعضے سیاہ اور بعضے درمیان میں اس کے، اور بعضے نرم خو اور بعضے سخت خو اور

بعضے ناپاک اور بعضے پاک :۔ترمذیؒ، ابوداوٗدؒ، احمدؒ۔

ترتیباً اس مٹھی مٹی کو دو حصے کیا۔ آدھا بہشت میں اور آدھا دوزخ میں رکھا، پھر جتنی مدت چاہا اسے بہشت اور دوزخ میں رکھا، پھر اس مٹی کو نکالا۔ اُس کے بعد اسے گوندھا پھر وہ ''طین لازب'' ایک مدت تک رہی پھر اس کے بعد ''حمامسنون'' ایک مدت تک رہی پھر ''صلصال'' ایک مدت تک رہی۔ پھر ساری مٹی کو ایک جسم کیا اس کے بعد اس ڈھانچہ کو دروازۂ بہشت پر ڈالا۔ ''تفسیر خازن''، ص ۱۰۱، ''تفسیر روح البیان'' ص ۹۹

فقبض قبضةمن وجه الارض مقدار اربعين ذراعا من زواياها الاربع فلذالک ياتی بنوه اخيافا ای مختلفين علی حسب اَلْوَانِ الارض واصنا فها فمنهم الابيض ولا سود والاحمر واللين واللغليظ فصار كل ذرة من تلک القبضة اصل بدن للانسان فاذامات يدفن فی الموضع الذی اخذت منه:

ترجمہ: پس روئے زمین سے اللہ تعالیٰ نے مٹھی لی، چالیس گز کی مقدار اس زمین کے چاروں کناروں سے۔ اسی لیے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے زمین کی مختلف رنگتوں اور اصناف کے مطابق مختلف ہوتے ہیں۔ پس بعضے ان میں سے سفید، کالے سیاہ، سرخ، نرم خو، سخت خو۔ پس ہر ذرہ اس مٹھی سے انسان کے بدن کی اصل بنا۔ پس جب انسان مرجاتا ہے تو اُسی جگہ میں دفن کیا جاتا ہے جہاں سے اس کے ذرہ کو لیا گیا تھا۔ جتنی مدت حضرت آدم علیہ السلام کے پتلا مبارک بنانے میں خرچ ہوئے، وہ چالیس صبح یعنی چالیس دن تھی۔ دُنیا کے سالوں کے حساب سے ہر دن ہزار سال کا تھا پھر نفخ روح ہوا۔ **فَاِذَاسَوَّيْتُه وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ الخ.**

ترجمہ: تو جب میں نے اسے مکمل کیا اور اس میں اپنا معزز روح پھونکا تو اس کے لیے ملائکہ سجدہ میں گر پڑے۔

یہاں یہ نکتہ معلوم ہوا کہ سجدہ صرف جسمِ آدم کو نہ تھا بلکہ روح کو تھا۔ چونکہ جسم اس کا تجلی گاہ تھا لہٰذا اسے بھی سجدہ ہوا۔ ورنہ نفخِ روح کی قید نہ ہوتی یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے روح

مبارک کی، اور اللہ تعالیٰ نے اضافت اپنی طرف شرافت وکرامت کی وجہ سے فرمائی جیسے بیت اللہ۔ ''کتاب الاداب باب السلام''، مشکوۃ شریف، ص ۳۹۷۔

عن ابی ہریرہؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خلق الله آدم علی صورته طوله ستون ذراعا فاما خلقه قال اِذْهب فسلم علی اولئک النفه وهم نفرمن الملا ئکة جلوس فاستمع مایحیونک فانها تحیتک وتحیته ذریتک فذهب فقال السلام علیکم فقالو السلام علیک ورحمة الله قال فزادوه ورحمة الله قال فکل من یدخل الجنة علی صورة آدم وطوله سِتُّونَ ذرعا فلم یذل الخلق ینقص بعده حتی الان متفق علیه:۔

ترجمہ: روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے کہ کہا: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر بنایا۔ پیدا کرنے کے بعد طوالتِ قد مبارک ساٹھ گز تھی۔ اُن کو فرمایا: جا اور سلام کر، اُس جماعت پر۔ اور وہ جماعت بیٹھے ہوئے فرشتوں کی تھی۔ پس سن! فرشتے کیا جواب دیتے ہیں تم کو۔ پس وہی جواب ہوگا تیرا اور تیری اولاد کا۔ پس گئے حضرت آدم علیہ السلام اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پس زیادہ کیا فرشتوں نے لفظ ورحمۃ اللہ کا فرمایا: کہ پس جو شخص کہ داخل ہوگا بہشت میں اوپر صورت آدم علیہ السلام کے ہوگا اور لمبائی اس کی ساٹھ گز ہوگی۔ پس ہمیشہ پیدائش کم طوالت ہوتی رہی پیچھے آدم علیہ السلام کے۔ اب تک اور **علی صورته** کا مطلب یہ ہے کہ متصف ساتھ صفاتِ الٰہیہ کے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ جیسے حیات علم، ارادہ، قدر، سمع، بصر، کلام اور اسی پر مدار ہے۔ **من عرف نفسه فقد عرف ربه** پس انسان جلال، جمال اور کمالِ خداوندی کا مظہر ہے۔

جاری ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

☆☆☆☆☆

معراج نبوی

علیٰ صاحبہ الصلاۃ والسلام

علامہ بدیع الزماں نورسیؒ

[گذشتہ سے پیوستہ]

دوسری تمثیل

بے شک ''سپہ سالارِ اعظم'' جو کہ سلطان کے عناوین میں سے ایک عنوان ہے۔ اُس کی تمام تر عسکری دوائر میں جلوہ گری اور ظہور وفروغ ہے، یعنی چیف آف آرمی سٹاف اور کمانڈر انچیف کے وسیع اور کلی دائرے سے لے کر لانس نائک کے جزوی اور خصوصی دائرے تک ظہور پذیر ہے۔

اب مثال کے طور پر ایک فوجی کو لانس نائک کی شخصیت میں قیادت کے سب سے بڑے عنوان کا نمونہ نظر آتا ہے، چنانچہ اس کی توجہ اُسی پر مرکوز رہتی ہے اور جب وہ خود لانس نائیک بن جاتا ہے تو اُس کی نظریں حوالدار پر لگ جاتی ہیں اور وہ اُسے قیادت کا نمونہ سمجھتا ہے۔۔۔ پھر جب وہ حوالدار بن جاتا ہے تو اُسے قیادت کا نمونہ اور جلوہ لیفٹیننٹ کے دائرے میں نظر آتا ہے، پس قیادت کے اُس مقام میں ایک مخصوص کُرسی ہوتی ہے۔۔۔ اور اس طرح دائروں کی وسعت اور تنگی کے لحاظ سے قیادت کے یہ عنوانات کیپٹن، میجر، بریگیڈیر، جنرل اور فیلڈ مارشل کے عہدوں میں نظر آتے ہیں۔۔۔

اب اگر وہ سپہ سالار اعظم کسی ایک سپاہی کے ذمے کوئی ایسی ڈیوٹی لگانا چاہے جس کا تعلق فوج کے تمام اداروں کے ساتھ ہو، اور اُسے کسی ایسے عہدے پر فائز کرنا چاہے جس سے وہ تمام دائروں پر نظر رکھے اور تمام دائروں میں نظر آئے جیسے کہ وہ اُن کا انسپکٹر ہے، تو بلا شبہ وہ اُس سپاہی کو لانس نائیک کے دائرے سے لے کر اپنے دائرہ عظمیٰ تک علیحدہ علیحدہ ہر دائرے کی سیر کرائے گا تا کہ وہ ان دائروں کو دیکھے اور اُن سب میں نظر آئے۔ اس کے بعد وہ اُسے اپنی حضوری کے لیے قبول کرے گا، اُسے اپنی ہم نشینی کا شرف بخشے گا اور اُسے تمغے اور عہد و پیمان سے نوازے گا اور اس کے ساتھ لطف و کرم کا مظاہرہ کرے گا اور

آنِ واحد میں اُسے اُس جگہ واپس بھیج دے گا جہاں سے وہ آیا تھا۔۔۔

اس مثال میں ایک اہم نقطہ نگاہ میں رکھنا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ سلطان اگر عاجز نہ ہو، اور اس کے پاس اس کے ظاہری اقتدار کی طرح معنوی اقتدار بھی ہو تو اُس صورت میں اُسے بریگیڈیر، فیلڈ مارشل اور کیپٹن جیسے اشخاص کو درمیان میں وکیل بنانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، بلکہ وہ بذاتِ خود ہر جگہ موجود ہوگا اور براہِ راست خود ہی احکامات صادر کرے گا، لیکن کچھ پردوں کی اوٹ سے اور کچھ صاحبِ مرتبہ لوگوں کی اوٹ سے؛ جیسے کہ مروی ہے کہ بعض سلاطین جو اولیائے کاملین تھے، بہت سے دائروں میں اپنے احکامات بعض اشخاص کی صورت میں خود نافذ کرتے تھے۔۔۔

رہی وہ حقیقت جو اس مثال کے ذریعے ہماری نگاہ میں ہے، وہ یہ ہے کہ چونکہ یہاں عجز و درماندگی کا وجود بالکل نہیں ہے، اس لیے ہر دائرے میں امر اور حکم سپہ سالارِ اعلیٰ کی طرف سے وارد ہوتا ہے اور براہِ راست اس کے امر، ارادے اور قوت کے ذریعے ہوتا ہے۔۔۔

اب اسی طرح یہ سمجھو کہ وہ جو سلطانِ ازلی وابدی، آمرِ مطلق، مالکِ امرِ (کن فیکون) اور حاکمِ ارض وسما ہے، اُس کی قیادت اور اوامر واحکام جو کہ اس کی مخلوق کے تمام طبقات میں جاری وساری ہیں اور کمالِ اطاعت وانتظام کے ساتھ سرگرم عمل ہیں اور ان تمام طبقات میں یہ اوامر واحکام واضح طور پر نظر آ رہے ہیں، اور ربوبیت کے یہ دائرے اور حاکمیت کے یہ طبقات چھوٹے بڑے اور جزوی اور کلی گروہوں کی صورت میں تو اگرچہ مختلف ہیں، لیکن ان سب کا رُخ ایک دوسرے کی طرف ہے اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔۔۔ ذرّات سے لے کر سیارات تک اور مکھی سے لے کر سماوات تک مخلوقات کے تمام طبقات اور موجودات کے تمام گروہوں میں اسی طرح کا منظر کارفرما ہے۔۔۔

پس آپ V کے لیے یہ ضروری ہوا کہ آپ V کائنات میں پائے جانے والے تمام مقاصدِ عُلیا اور نتائجِ عظمیٰ کو سمجھیں اور تمام طبقات کی عبودیات کے مختلف وظائف کو آنکھوں سے دیکھیں۔۔۔ اور یوں صاحبِ کبریا کی ربوبیت کی سلطنت اور اس کی حاکمیت کی حشمت کا مشاہدہ کریں اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اُنھیں اِن تمام طبقات ودوائر کی بہرحال سیر کرائی جائے، تا آنکہ آپ اُس کے عرشِ اعظم میں داخل ہو جائیں جو کہ اس کے سب سے بڑے دائرے کا عنوان ہے اور مقام ''قابَ قوسین'' میں داخل ہو جائیں، یعنی اس مقام میں داخل ہو جائیں جو کہ ''امکان و وجوب'' کے درمیان ہے اور جس کی طرف

’’قابَ قوسین‘‘ کے ساتھ اشارہ کیا جاتا ہے اور وہاں ذاتِ الٰہی سے ملاقات کرلیں۔۔۔تاکہ آپ V یہ سمجھ جائیں کہ اُس کی رضامندیاں کیا ہیں، اور آپ V اس کی سلطنت کے رہنما بن جائیں۔۔۔پس یہ سیر وسلوک ہی معراج کی حقیقت ہے۔۔۔

جس طرح ہر انسان کو اپنی عقل کے ساتھ خیال کی سُرعت میں چلنے، ہر وَلی کو اپنے دِل کے ساتھ برق رفتاری سے گردش کرنے، ہر فرشتے کو جو کہ خود بھی نورانی جسم ہے، عرش سے لے کر فرش تک اور فرش سے لے کر عرش تک روح کی تیزی جیسی تیزی سے گھومنے پھرنے اور اہلِ جنت کو براق کی سُرعت میں حشر سے لے کر جنت تک، جس کی مسافت پانچ سو سال سے زائد ہے، عروج کی صلاحیت حاصل ہے۔۔۔تو پھر روحِ محمدیﷺ جو کہ نور ہے اور نور کی قابلیت میں ہے، قلوبِ اولیاء سے کہیں زیادہ لطیف ہے، ارواحِ اموات اور اجسامِ ملائکہ سے زیادہ خفیف اور جسدِ نجمی اور جسمِ مثالی سے کہیں زیادہ لطیف ہے، اور جسمِ محمدی علیہ الصلاۃ والسلام جو کہ آپ V کی روح کے وظائف کا دارومدار اور اس کے بے حد وحساب کل پرزوں، نظاموں اور مہارتوں کا مخزن ہے، ایسا جسم بلا شک وشبہ آپ V کی روحِ عالیہ کے ہمراہ سوئے عرش سفر کرے گا۔۔۔

اب ہم اُس مُلحد کی طرف دیکھتے ہیں جو کہ مقامِ استماع میں ہے۔۔۔تو ذہن میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ:

وہ مُلحد اپنے دل میں کہتا ہے کہ: میری نہ تو اللہ کے ساتھ جان پہچان ہے اور نہ میں نبی V کو جانتا ہوں، اب ایسی صورت میں معراج کا اعتقاد کیونکر رکھ سکتا ہوں؟۔۔۔

ہم اسے کہیں گے:

جب اس کائنات کا اور ان موجودات کا وجود ہے، اور اِن میں افعال اور ایجاد کا وجود بھی ہے۔۔۔ اور جب کوئی منظّم کام فاعل کے بغیر نہیں ہوتا ہے، کوئی ذو معنی کتاب بغیر کاتب کے نہیں ہوتی ہے اور کوئی ذو معنی نقش بغیر نقّاش کے نہیں ہوتا ہے تو۔۔۔پھر یہ حکمت بھرے اَفعال جن کے ساتھ یہ کائنات بھری پڑی ہے، ان سب کا بھی کوئی ایک فاعل ضرور ہے، اور رُوئے زمیں کے پُر معانی، حیرت انگیز اور موسم بہ موسم جدت پذیر نقوش کے مکتوبات کا کوئی کاتب اور نقاش ضرور موجود ہے۔۔۔اور جب کسی بھی کام میں دو حاکموں کا وجود اُس کام کا نظم وضبط بگاڑ دیتا ہے، اور جب ایک مکھی کے پَر سے لے کر آسمان کی قندیلوں

تک ایک مکمل نظم وضبط موجود ہے۔۔۔تو پھران کا حاکم بھی ایک ہی ہے؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چیز میں نظر آنے والی کاریگری اور حکمت اتنی عجیب وغریب ہے کہ اُس چیز کے کاریگر کا قادرِ مطلق ہونا لازم ہوجاتا ہے، اِس درجے کا قادرِ مطلق کہ اُسے ہر چیز پر مکمل اقتدار حاصل ہو اور اُسے ہر چیز کا علم ہو۔ تو پتا چلا کہ اگر وہ حاکم ایک نہ ہو تو موجودات کی تعداد کے برابر خداؤں کا وجود لازم آئے گا، اور وہ تمام خدا آپس میں متضاد بھی ہوں گے اور متماثل بھی، اور اس صورت میں اس عجیب وغریب نظم وضبط کا بغیر فساد کے برقرار رہ جانا لاکھوں دفعہ محال ہو جائے گا۔۔۔ پھر یہ بھی ہے کہ جب یہ چیز بدیہی طور پر نظر آ رہی ہے کہ ان موجودات کے طبقات جو ایک امر کے تحت جس نظم وضبط سے محوِ حرکت ہیں، وہ کسی منظّم فوج سے ہزاروں گنا زیادہ ہے، اور نجوم وشمس وقمر اور ان کی منظّم حرکات سے لے کر بادام کے پھولوں تک قدیرِ ازلی نے ان تمام چیزوں کو منظّم اور متکامل صورت میں جو امتیازی علامات، تمغے اور خلعتیں عطا کی ہیں، اور ان کے لیے جو حرکات متعین کی ہیں وہ ایک فوج سے ہزار درجہ زیادہ نظم وضبط کا اظہار کر رہی ہیں۔۔۔ پس اس سے معلوم ہوا ہے کہ کائنات کی ان موجودات کا ایک ایسا حاکمِ مطلق ہے جو کہ پردۂ غیب کے پیچھے ہے اور اِن موجودات کو فرمانبرداری کے لیے اُس کے امر کا انتظار رہتا ہے۔۔۔

اب وہ حاکم چونکہ ایک ایسا پُرجلال سلطان ہے جس پر اس کے پُرحکمت تصرفات اور پرحشمت آثار گواہی دے رہے ہیں، اور وہ انتہائی مہربان پروردگار ہے؛ کیونکہ وہ احسانات کا مظاہرہ کر رہا ہے، اور وہ ایک ماہر صنعت گر ہے جسے اپنی اس صنعت اور کاریگری کے ساتھ محبت ہے کہ وہ اپنی خوبصورت مصنوعات کا اظہار کر رہا ہے، اور وہ ایک دانا اور حکیم خالق ہے جو ذی شعور لوگوں کی نظرِ استحسان کو اپنے آثار پر مرکوز کرنا چاہتا ہے، کیونکہ وہ اپنی ایسی آرائشوں کا اور ایسی کاریگریوں کا اظہار کرتا ہے جو بہر کیف توجہ کی مُوجب ہیں، اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ اپنی ربوبیت کی حکمت کے ذریعے اصحابِ شعور کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ یہ محیّرُ العقول آرائشیں ہیں جن کا اظہار اس نے مخلوقاتِ عالم میں کیا ہوا ہے، اور یہ کہ مخلوقات کہاں سے چلی آ رہی ہیں اور کہاں چلی جا رہی ہیں؟ تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ حاکمِ حکیم اور صانعِ علیم اپنی ربوبیت کا اظہار چاہتا ہے، اور جب وہ اس مقدار میں ظاہر کردہ لطف ورحمت کے آثار اور کاریگری کے عجائبات کے ذریعے وہ اپنی پہچان کرانا چاہتا ہے اور خود کو اصحابِ شعور کا محبوب بنانا چاہتا ہے، تو پھر لاریب وہ کسی مبلّغ کی وساطت سے اِس بات کا علم ضرور دے گا کہ اہلِ شعور سے اس کے

مطالبات کیا ہیں؟ اور وہ اُن سے راضی کس طرح رہے گا۔ اس بنا پر وہ اہلِ شعور میں سے کسی ایک کا تعیُن کرے گا اور اس کے ذریعے اپنی اس ربوبیت کا اعلان کرے گا، اور کسی ایک راہنما کو اپنی حضوری کے قرب سے نوازے گا، اور اس کی وساطت سے اپنی پسندیدہ مصنوعات کی تشہیر کرے گا، اور اُن میں سے کسی ایک کو معلّم متعیّن کرے گا اور اس کے ذریعے تمام اہلِ شعور کو اپنے ان بلند مقاصد کا علم دے کر اپنے کمالات کا اِظہار کرے گا، اور ہر حال میں کوئی مرشد و راہنما معین کرے گا تا کہ وہ طلسم بے معنی نہ رہ جائے جو اس نے اس کائنات میں سمو دیا ہے اور ربوبیت کا وہ معمّہ حل نا پذیر نہ ہو جائے جو اُس نے اِن موجودات میں چھپا دیا ہے، اور یہ کہ وہ ایک ایسا پیش رَو متعین کرے جو اِن موجودات میں پائے جانے والے مقاصد کا درس دے تا کہ اُس نے نظر نوازی اور چشم کشائی کے لیے اپنی کاریگری کے جو خوبصورت شہ پارے پھیلائے اور نمایاں کیے ہیں وہ عبث اور بے فائدہ نہ رہیں، اور اُن میں سے کسی کو عروج دے گا اور تمام ذی شعور لوگوں سے بلند مقام پر لے جائے گا اور اُسے اپنی رضامندیوں کے بارے میں علم دے گا، اور پھر اُسے اُن کی طرف بھیج دے گا تا کہ وہ اُس کی رضامندیوں کو اہلِ شعور تک پہنچا دے۔۔۔

پس جب حکمت اور حقیقت دونوں کا تقاضا یہ ہے، تو پھر اِن وظائف کے لیے جو ہستی سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہے وہ حضرت محمد V ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اِن وظائف کا مکمل صورت میں بالفعل حق ادا کیا ہے اور آپ V نے جو عالمِ اسلام کی تشکیل کی ہے اور اسلام کا جو نور پھیلایا ہے وہ اس بات کا صادق اور عادل گواہ ہے۔ اِس بنا پر یہ ضروری ہے کہ آپ تمام کائنات سے بلندی پر جائیں اور پھر تمام کائنات سے براہِ راست گزریں تا کہ ایسے مقام میں داخل ہو جائیں جہاں تمام مخلوقات کے خالق کے ساتھ عمومی، بلند اور کلی ہم نشینی کا شرف حاصل کریں۔

پس معراج ہمیں اس حقیقت سے بھی بہرہ ور کرتا ہے۔

الحاصل: اُس حاکمِ مطلق نے جب اس عظیمُ الشان کائنات کی تشکیل بہت سے عظیمُ الشان مقاصد اور بہت سی بلند آہنگ غایات کے لیے کی ہے، اُسے ترتیب دیا ہے اور اس موجودہ صورت میں اُس کی تزیین کی ہے۔۔۔ اور ان موجودات کے مابین نوعِ انساں بھی موجود ہے جو کہ اس عمومی ربوبیت کا نظارہ ان کی تمام پیچیدگیوں سمیت اور اُلوہیت کی عظیمُ الشان سلطنت کا نظارہ اس کے تمام حقائق سمیت کر رہا ہے، تو پھر بلا شک وہ حاکمِ مطلق اُس انسان کے ساتھ کلام کر رہا ہے، اُسے اپنے مقاصد سمجھا رہا ہے اور

جب یہ حقیقت ہے کہ ہر انسان جزئیت اور سفلیّت سے خالی ہو کر ایک کلّی اور اعلیٰ مقام تک ترقی نہیں کر سکتا ہے اور یوں براہِ راست ذاتی طور پر اس حاکم کے کُلّی خطاب کا اہل نہیں ہو سکتا ہے، اس لیے لاریب ان لوگوں کے درمیان سے کچھ مخصوص افراد کی یہ ذمہ داری لگا دی جاتی ہے تاکہ وہ بیک وقت دونوں جہتوں کے تعلقات اور مناسبات سے بہرہ ور ہوں، یعنی وہ ایک طرف سے انسان ہوتے ہیں اور لوگوں کے مُعلم بنتے ہیں اور دوسری طرف سے روحانی بلندی کی انتہا پر ہوتے ہیں تاکہ خطابِ الٰہی کا براہِ راست مظہر بن جائیں۔

اور اب یہ سمجھو کہ جب وہ انسان جس نے صانعِ کائنات کے مقاصد کی کامل ترین صورت میں آگہی دی ہے، اس کائنات کے طلسم کا پردہ چاک کیا ہے، معمّہ ٔتخلیق کا دروازہ کھولا ہے اور ربوبیت کی سلطنت کے محاسن کی طرف سب لوگوں سے زیادہ رہنمائی کی ہے، وہ محمد V ہیں، تو پھر لاریب انھیں تمام انسانی افراد میں سے اس طرح کا معنوی سیر و سلوک حاصل ہوگا کہ جو ان کے لیے عالمِ جسمانی میں سیر و سیاحت کی صورت میں معراج ہوگا، چنانچہ وہ برزخِ اسماء، تجلیٔ صفات ُافعال اور طبقاتِ موجودات جنھیں ستر ہزار حجابات سے تعبیر کیا ہے، اِن سب سے آگے کے مراتب طے کر جائیں گے۔۔۔ پس یہی معراج ہے۔۔۔

اور دِل میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ اے سننے والے، تم دِل میں یہ کہہ رہے ہو کہ: میں کیسے مان جاؤں؟ وجہ یہ ہے کہ پروردگار جو کہ ہر چیز سے زیادہ قریب ہے، اُس کے ساتھ ہزاروں سال کی مسافت طے کر کے ستر ہزار پردوں سے آگے گزر کر ملاقات کرنے کا کیا مطلب ہے؟۔۔۔

ہم کہتے ہیں: بے شک حق تعالیٰ ہر شے کے ہر شے سے زیادہ قریب ہے، لیکن اس سے ہر چیز انتہائی دور ہے، چنانچہ اگر سورج صاحبِ شعور و کلام ہوتا تو وہ تمھارے ساتھ تمھارے ہاتھ میں پکڑے ہوئے آئینے کی مدد سے ہمکلام ہو سکتا تھا اور تم میں اپنے حسبِ منشا تصرف کر سکتا تھا، بلکہ وہ تو تُم سے تمھاری اِس آئینے کے ساتھ مشابہت رکھنے والی آنکھوں کی پُتلی سے بھی زیادہ قریب ہے، جبکہ تم اُس سے چار ہزار سال کے فاصلے کے برابر دور ہو، پس کسی بھی جہت سے اس کے قریب نہیں ہو سکتے ہو، اور اگر آپ تھوڑا تھوڑا اُوپر چڑھتے ہوئے مقامِ قمر تک پہنچ جائیں اور اس نقطے تک پہنچ جائیں جو سورج کے بالکل سامنے ہے تو تم زیادہ سے زیادہ اُس آئینے کا کردار ادا کر سکو گے جو اس کی روشنی کو منعکس کرتا ہے۔

اسی طرح وہ ذاتِ ذوالجلال اَزل وابد کا سورج ہے، اور وہ ہر چیز کے ہر چیز سے زیادہ قریب ہے، جبکہ ہر چیز اس سے لانہایت دُور ہے، مگر جو شخص تمام موجودات کو قطع کر جائے اور اس طرح جُزئیت سے نکل کر درجہ بدرجہ کلّیت کے مراتب میں منسلک ہوتا جائے، اور یوں لگا تار ہزاروں پردوں سے آگے گزر کر اُس کے ایک ایسے اسم تک پہنچ جائے جو تمام موجودات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور اس سے آگے بھی بہت سے مراتب قطع کرے، تو پھر ایک طرح کے قرب کا شرف حاصل کرے گا۔

اور اِس مثال سے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ایک اکیلا سپاہی اپنے سپہ سالارِ اعظم کی معنوی شخصیت سے بہت دور ہوتا ہے، چنانچہ وہ اپنے قائد کو انتہائی دور کی مسافت سے اور بہت سے معنوی پردوں کے پیچھے سے دیکھتا ہے تو وہ اُسے لانس نائیک کے مرتبے کے ایک چھوٹے سے نمونے میں نظر آتا ہے۔ لیکن اس قائد کی معنوی شخصیت سے قربِ حقیقی کے لیے لیفٹینینٹ، کیپٹن اور میجر وغیرہ کے عہدوں سے گزرنا ضروری ہے، حالانکہ وہ قائدِ اعلیٰ اس سپاہی کے پاس ہمہ وقت موجود ہے، اور اپنے امر، قانُون، نظر، حُکم اور علم کے ذریعے اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ پس اگر وہ ظاہری صورت کی طرح معنوی طور پر بھی قائد ہے تو پھر تو وہ اس سپاہی کے ساتھ موجود ہے اور اُسے دیکھ رہا ہے۔۔۔

اس حقیقت کا اثبات چونکہ سولہویں مقالے میں انتہائی قطعی طریقے سے کیا جا چکا ہے اس لیے اس پر اکتفا کرتے ہوئے یہاں ہم اختصار سے کام لے رہے ہیں۔۔۔

اور اسی طرح ذہن میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ: تم اپنے دِل میں کہتے ہو گے کہ: میں آسمانوں کا انکار کرتا ہوں اور فرشتوں پر اعتقاد نہیں رکھتا ہوں، اس لیے میں یہ کیسے مان جاؤں کہ کوئی آسمانوں کی سیر کو گیا ہوگا اور وہاں اُس کا فرشتوں کے ساتھ اجتماع ہوا ہوگا؟

جی ہاں! تمہارے جیسے لوگ کہ جن کی عقل صرف آنکھ ہی میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے، اور جن کی آنکھ پر پردہ پڑ چکا ہے، ایسے لوگوں کو کوئی بات سمجھانا یا کوئی چیز دکھانا بڑا مشکل کام ہے، لیکن حقیقت اتنی واضح اور تابناک ہے کہ اندھوں کو بھی نظر آ رہی ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں: عُلوی فضا بالاتفاق ''ایتھر'' سے بھری ہوئی ہے؛ کیونکہ روشنی، بجلی اور حرارت جیسی دیگر لطیف سیال چیزیں کسی ایسے مادے کے وجود پر دلالت کرتی ہیں جو اِس فضا کو ہر طرف سے بھرے ہوئے ہے، پس جس طرح پھل اپنے درخت کی، پھول اپنے گلستاں کی، بالیاں اپنے کھیت اور مچھلیاں اپنے سمندر کی بدیہی دلیل ہیں، اِسی طرح یہ ستارے بھی بہر

صورت اور لامحالہ طور پر اپنی نشو ونما کے سرچشمے، اپنے کھیت، اپنے سمندر اور اپنے گلستان کے وجود کو عقل کی آنکھ میں آویزاں کر رہے ہیں۔

عالمِ بالا میں چونکہ مختلف اشکال پائی جاتی ہیں اور وہاں مختلف اوضاع و اطوار میں مختلف قسم کے احکام مشاہدے میں آتے ہیں، اِس لیے آسمان جو کہ ان احکام کے سرچشمے ہیں وہ بھی مختلف ہی ہیں۔ پس جس طرح انسان میں جسم کے علاوہ عقل وقلب و روح اور خیال و حافظہ جیسے دیگر کئی معنوی وجود پائے جاتے ہیں، اسی طرح اس عالم میں جسے انسانِ اکبر کہا جاتا ہے یہی نظام کارفرما ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: اس کائنات میں جو کہ انسان نامی اس پھل کا درخت ہے اس جسمانی عالم کے علاوہ اور بھی بہت سے عالم پائے جاتے ہیں اور عالمِ ارض سے لے کر عالمِ جنت تک ہر عالم کا ایک علیحدہ آسمان ہے۔۔۔

اور ملائکہ کے ضمن میں ہم یہ کہتے ہیں کہ: بے شک زمین جو کہ سیّاروں کے مابین ایک متوسط سیارہ اور ستاروں کے درمیان ایک چھوٹا سا اور کثیف ستارہ ہے، یہ زمین اگر دوسری موجودات کی بہ نسبت حیات وشعور جیسی روشن ترین اور قیمتی ترین چیز کے اَن گنت اور بے شمار نمونوں سے بھری پڑی ہے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ ستارے جو کہ زمین کی بہ نسبت مزیّن محلّات اور بلند وبالا عمارات ہیں۔ جبکہ زمین ان کے مقابلے میں ایک چھوٹے سے تاریک مکان کی طرح ہے، اور آسمان جو کہ ایک وسیع وعریض سمندر کی طرح ہیں جن میں یہ ضخیم ستارے تیرتے پھر رہے ہیں، یہ سب کے سب مختلف اجناس کی لاتعداد ذِی شعور اور ذِی حیات روحانی مخلوقات اور ملائکہ کے مساکن ہیں۔۔۔ اور آسمانوں کا وجود اور اُن کے متعدد ہونے کا اثبات ہم اپنی ''**اشارات الاعجاز فی مظانِ الایجاز**'' نامی تفسیر میں آیتِ کریمہ ﴿**ثُمَّ اسۡتَوٰی اِلَی السَّمَاءِ فَسَوّٰاهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ**﴾ کی تفسیر کے ضمن میں قطعی صورت میں کر چکے ہیں، اور ملائکہ کا وجود، ہم ملائکہ کے بارے میں لکھے گئے انتیسویں مقالے میں دوضربِ دو برابر چار کی طرح حتمی شکل میں کر چکے ہیں، اس لیے اس مقام پر وہاں لکھے ہوئے پر اکتفا کرتے ہوئے اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔۔۔

الحاصل: بے شک مختلف اوضاع واشکال کے یہ سات طبقات، اور Milky way نامی کہکشاں سے لے کر ہم سے قریب ترین سیارے تک جو کہ ''ایتھر'' سے بنائے گئے ہیں اور بجلی، روشنی، حرارت اور جاذبیت جیسی لطیف اشیا کا مدار اور جولانگاہ بن گئے ہیں اور ستاروں اور سیاروں کی حرکات کے مناسب ہو

گئے ہیں جیسے کہ حدیث شریف (اَلسَّمَاءُ مَوْجٌ مَکْفُوْفٌ) میں اشارہ پایا جاتا ہے، یہ سب عقل اور حکمت کی رُو سے ایسے آسمانوں کے وجود کے مقتضی ہیں جن میں سے عالمِ ارض سے لے کر عالمِ برزخ اور عالمِ مثال حتیٰ کہ عالمِ آخرت تک ہر آسمان دوسرے آسمان کے لیے چھت کا حکم رکھتا ہو۔۔۔

اور اسی طرح ذہن میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ: اے ملحد! تُو یہ کہتا ہے کہ: ہم ہوائی جہاز کے ذریعے ہزار مشکلات سے صرف ایک دو کلو میٹر تک اُوپر فضا میں جاسکتے ہیں، ایسے میں ایک انسان کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے جسم کے ساتھ ہزاروں سال کی مسافت طے کر لے اور چند منٹوں میں چلا بھی جائے واپس بھی لوٹ آئے؟۔۔۔

ہم کہتے ہیں:

زمین جیسا ثقیل جسم تمہاری سائنس کے مطابق ایک منٹ میں اپنی سالانہ حرکت کے ساتھ تقریباً ایک سو اٹھاسی گھنٹے کی مسافت طے کرتا ہے، چنانچہ اس طرح زمین ایک سال میں تقریباً پچیس ہزار سال کی مسافت طے کرتی ہے۔۔۔! تو کیا خیال ہے کہ وہ قدیر ذُوالجلال جس نے زمین کو اس طرح کی منظّم حرکات میں متحرک رکھا ہوا ہے اور جو اسے گو پتھر کے پہیے کی طرح گُھما رہا ہے، وہ کسی انسان کو اپنے عرش تک نہیں لے جاسکتا ہے؟ کیا وہ حِکمت جو زمین جیسے انتہائی ثقیل جسم کو مرید رومی کی طرح جاذبیتِ شمس جیسے ربانی قانون کے ذریعے سورج کے اِردگرد گھمائے جارہی ہے، وہ حکمت کسی انسان کے جسم کو رحمان کی رحمت کی جاذبیت اور شمسِ اَزل کی محبت کے انجذاب سے بجلی کی سی رفتار کے ساتھ اُوپر عرش تک نہیں لے جاسکتی ہے؟

ذہن میں یہ بھی آتا ہے: تو کہے گا کہ: مان لیتے ہیں کہ معراج ہوسکتا ہے یعنی اُوپر آسمانوں کی طرف چڑھنا ممکن ہے، لیکن کیوں چڑھے اور چڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا یہ کافی نہیں تھا کہ وہ اولیا کی طرح رُوح وقلب کے ساتھ چلے جاتے؟

ہم کہتے ہیں: صانع ذُوالجلال نے جب اپنے ملک وملکوت میں اپنی آیات کے عجائبات کے اِظہار کا اور اس کائنات کے کارخانوں اور سرچشموں کے سراغ دینے کا اور بشری اعمال کے اُخروی نتائج کو دکھانے کا ارادہ کیا ہے تو پھر یہ بات لازم ہوجاتی ہے کہ آپ ﷺ اپنی آنکھوں اور کانوں کو ساتھ لے کر جائیں جو کہ عالمِ مبصرات (آنکھوں سے نظر آنے والی کائنات) اور عالمِ مسموعات (کانوں سے سُنائی دینے والی

کائنات) کے لیے چابی کا حکم رکھتے ہیں۔اسی طرح عقل وحکمت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے ساتھ عرش تک اپنے اُس جسم مبارک کو بھی لے جائیں جو اُن آلاتِ روح کی مشین اور اس کے اُن کل پرزوں اور نظاموں کا حکم رکھتا ہے جن پر روح کے لاتعداد وظائف کا دارومدار ہے۔۔۔تو جس طرح حکمتِ الٰہیہ نے جنت میں جسم کو روح کا رفیق بنایا ہے، اِس لیے کہ جسم عبودیت کے بہت سے وظائف کا اور بے شمار لذائذ وآلام کا دارومدار ہے۔اس لیے یہ ضروری ہوا کہ وہ جسدِ مبارک بھی روح کا رفیقِ سفر ہو،اور جسم چونکہ جنت میں روح کے ہمراہ رہے گا۔تو پھر یہ بات عین حکمت ہے کہ آپ V کے جسدِ مبارک کو اُس ذاتِ محمدی ﷺ V کا رفیقِ سفر بنا دیا جائے، جسے سدرۃُ المنتہٰی تک لے جایا گیا، سدرۃُ المنتہٰی جو کہ جنۃُ الماویٰ کا جسد ہے۔۔۔

اب ذہن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ: تم کہو گے کہ: ہزاروں سال کی مسافت چند منٹ میں طے کر لینا عقلاً محال ہے۔۔۔

ہم کہیں گے: صانعِ ذُوالجلال کی صنعت گری میں جو حرکات پائی جاتی ہیں، انتہائی درجے میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔مثال کے طور پر یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ آواز، روشنی، بجلی، رُوح اور خیال کی سُرعت کے مابین تفاوت پایا جاتا ہے، اور سائنس کی رُو سے سیاروں کی حرکات میں بھی اتنا اختلاف پایا جاتا ہے کہ جس سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔۔۔تو اب حیرانی کی بات یہ ہے کہ اگر آپ V کے لطیف جسم نے بلندی کی طرف جاتے ہوئے آپ کی سریعُ السیر روح عالی کی پیروی کر لی، اور اُس جسم کو روح والی سرعت رفتاری مل گئی تو اس میں خلافِ عقل بات کون سی ہے؟۔۔۔

اور یہ بھی ہے کہ اگر تم دس منٹ کے لیے سو جاؤ تو اتنے حالات سے دوچار ہو سکتے ہو جتنے کہ بیداری میں شاید ایک سال میں بھی پیش نہ آئیں، یہاں تک کہ ایک خواب، جو انسان صرف ایک منٹ میں دیکھتا ہے، اس خواب میں جو باتیں اُس نے کہی سُنی ہیں اگر سب کی سب اکٹھی ہو جائیں تو اُن کے لیے بیداری میں ایک دن بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت درکار ہو گی۔پس پتا یہ چلا کہ ایک ہی زمانہ دو آدمیوں میں سے ایک کے لیے ایک دن اور دوسرے کے لیے ایک سال کے حکم میں آ جاتا ہے۔۔۔

اس معنی کو ایک تمثیل کی نظر سے دیکھو: ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ایک گھڑی ہے جس سے انسان، گولے، آواز، روشنی، بجلی، رُوح اور خیال کی حرکات کی سرعت کو ماپا جا سکتا ہے، اس گھڑی کی دس سوئیاں

ہوں گی: ایک سوئی گھنٹے بتائے گی، دوسری سوئی اس سے ساٹھ گنا بڑے دائرے میں منٹ یعنی گھنٹے کا ساٹھواں حصہ بتائے گی، تیسری اس سے ساٹھ گنا بڑے دائرے میں سیکنڈ یعنی منٹ کا ساٹھواں حصہ بتائے گی، چوتھی اس سے ساٹھ گنا بڑے دائرے میں سیکنڈ کا ساٹھواں حصہ بتائے گی، اِسی طرح دس سوئیوں کا حساب لگالیں اور اس دائرے کو انتہائی منظّم طریقے سے بڑھاتے چلے جائیں۔۔۔ یہ دس سوئیاں اس طرح چلیں گی کہ ان میں سے یہ ایک اپنے سے پہلے

والی سوئی کے مقابلے میں ساٹھ گنا بڑے دائرے میں حرکت کرے گی۔ اب اگر بالفرض گھنٹے شمار کرنے والی سوئی کا دائرہ ہماری اس چھوٹی سی گھڑی کے برابر ہوتو یہ لازم آتا ہے کہ اُس سوئی کا دائرہ جو سیکنڈ کے دسویں حصے کو شمار کر رہی ہے، بہرصورت زمین کے سالانہ مدار کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑا ہو۔۔۔

اب ہم فرض کرتے ہیں کہ دو آدمی ہیں: ان میں ایک گھنٹوں والی سوئی پر سوار ہے اور اس سوئی کی حرکات کے حساب سے گردوپیش کا جائزہ لے رہا ہے اور دوسرا اُس سوئی پر سوار ہے جو سیکنڈ کے دسویں حصے کو شمار کر رہی ہے۔ اب وہ اشیا جن کا یہ دونوں شخص ایک ہی وقت میں مشاہدہ کر رہے ہیں ان کا حساب لگایا جائے تو دونوں کے مشاہدات میں اتنا ہی فرق ہوگا جتنا کہ زمین کے سویں مدار اور ہماری اس چھوٹی سی گھڑی کے مابین ہے۔۔۔ اور اب زمانہ چونکہ حرکات کے رنگوں کا یا حرکات کے فیتے کا نام ہے، اس لیے جو حکم حرکات میں جاری ہوگا وہ زمانے میں بھی جاری ہوگا۔۔۔

پس ہم ایک گھنٹے میں اُتنی اشیا کا مشاہدہ کرتے ہیں جتنی چیزوں کا مشاہدہ وہ ذِی شعور آدمی کرتا ہے جو کہ گھنٹے شمار کرنے والی سوئی پر سوار ہے اور اِس کی عمر کی حقیقت بھی اتنی ہی ہے، جبکہ رسولِ اکرم ﷺ توفیقِ الٰہی کی براق پر سوار ہوتے ہیں اور ممکنات کے تمام دائرے برق کی طرح طے کر لیتے ہیں اور ملک وملکوت کے عجائبات کا مشاہدہ کرتے ہیں، دائرۃُ الوجوب کے نُقطے تک جا پہنچتے ہیں، ہمنشینی کا شرف حاصل کرتے ہیں، جمالِ الٰہی کی دید سے نہال ہوتے ہیں اور عہدِ الٰہی حاصل کرتے ہیں اور اپنی ذمہ داری نبھانے کے لیے واپس آتے ہیں۔ بالفعل عین اُسی وقت اور بالخصوص اُسی معین گھڑی میں واپس آ بھی گئے، اُس شخص کی طرح جو کہ سیکنڈ کے دسویں حصے کو شمار کرنے والی سوئی پر سوار ہو اور بالکل ایسے ہی ہوا۔۔۔

یہاں ذہن میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ: تم یہ کہو گے کہ: ہاں ٹھیک ہے، ایسا ہونا ممکن ہے لیکن ہر ممکن بات واقعتاً ہو ہی تو نہیں جاتی ہے نا، آپ یہ بتائیں کہ اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے تا کہ اسے قبول کیا جا سکے؟۔ایک ایسا واقعہ جس کی کوئی مثال ہی نہ ہو صرف اس کے ممکن ہونے کی بنا پر اس کے وقوع پذیر ہونے کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے؟

ہم کہتے ہیں: اس کی مثالیں بہت زیادہ اور بے شمار ہیں، اور وہ اس طرح کہ ہر صاحبِ نظر آدمی مثلاً ایک سیکنڈ میں اپنی نظر کے ذریعے زمین سے ''نپٹون'' تک جا پہنچتا ہے، اور ہر صاحبِ علم آدمی اپنی عقل کے ذریعے ''کاسموگرافی'' کے قوانین پر سوار ہو کر ایک منٹ میں ستاروں سے آگے چلا جاتا ہے۔۔۔اور ہر صاحبِ ایمان آدمی اپنے فکر و دھیان کو نماز کے افعال و ارکان پر سوار کر کے کائنات کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور یوں ایک طرح کے معراج سے سرفراز ہو جاتا ہے اور حضورِ الٰہی میں پہنچ جاتا ہے۔۔۔اور ہر صاحبِ دل اور ولیٔ کامل سیر و سلوک کے ذریعے چالیس دنوں میں عرش اور اسما و صفات کے دائرے سے آگے گزر سکتا ہے، حتیٰ کہ شیخ جیلانی رحمہ اللہ اور امامِ ربانی رحمہ اللہ جیسے لوگوں کو عرش تک روحانی عروج ایک منٹ میں حاصل ہو جاتا ہے، بہت سے سچے واقعات اس ضمن میں ہمیں ملتے ہیں۔ملائکہ جو کہ نورانی اجسام کے مالک ہیں اُن کا مختصر سی مدت میں عرش سے فرش تک اور فرش سے عرش تک آنا جانا رہتا ہے۔ اہلِ جنت میدانِ محشر سے ریاضِ جنت تک بہت کم وقت میں جا پہنچیں گے۔۔۔

پس یہ جتنی مثالیں بیان کی گئی ہیں اِن سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ معراج کا وجود حضرت محمد ﷺ V کے سیر و سلوک کا مدار بنے گا، اور یہ ایسی صورت میں ہوگا جو کہ تمام اولیا کے سلطان، تمام اہلِ ایمان کے امام، تمام اہلِ جنت کے سردار اور تمام ملائکہ کی مقبول ترین شخصیت کے مقام و مرتبے کے شایانِ شان ہو اور یہ چیز عین حکمت، غایت درجہ معقول اور بلا شک و شبہ وقوع پذیر ہو چکی ہے۔۔۔

☆☆☆☆☆
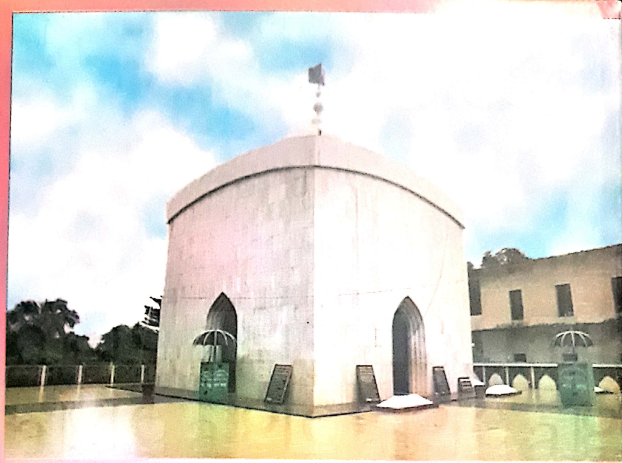
خانقاہِ معلیٰ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ۔ شام

خانقاہِ معلیٰ حضرت سلطان باہو۔ جھنگ، پاکستان

QINDEEL - E - SULEMAN 7
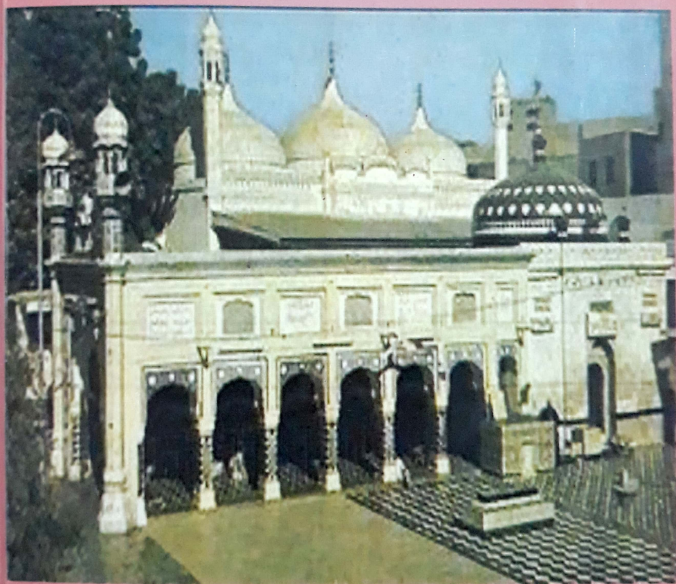
خانقاہِ معلیٰ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ۔ پاک پتن شریف، پاکستان